ماہنامہ
براہِ راست
لاہور
جلد 11 شمارہ 07
جولائی 2025ء

حماس مستقل اور مستحکم جنگ بندی چاہتی ہے

ڈاکٹر خلیل الحیة

امریکی عزائم بے نقاب

غزہ فاؤنڈیشن: موت بانٹنے لگی۔۔۔ صہیونی فوج خونی فوج بن گئی

فریڈم فلوٹیلا سے میڈلین تک
اسرائیل کا حملہ: گریٹا گرفتاری

اسرائیل گینگسٹر بھی بن گیا
فلسطینیوں کو مارنے کا نیا سلسلہ

پاکستانی میڈیکل کالج سے فارغ التحصیل اور غزہ میں انڈونیشین ہسپتال کے ڈائریکٹر

ڈاکٹر مروان سلطان

اپنے خاندان کے کم از کم سات افراد سمیت بدھ کو اسرائیلی فضائی حملے میں جان سے چلے گئے۔ ہارٹ سپیشلسٹ ڈاکٹر مروان اسرائیلی جارحیت کے دوران زخمیوں اور مریضوں کی انتھک خدمت کے لیے مشہور تھے۔ ڈاکٹر مروان سلطان نے میڈیکل کی تعلیم پاکستان میں مکمل کی اور واپس غزہ چلے گئے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو بتایا تھا کہ وہ غزہ واپس جانا چاہتے ہیں جہاں ان کے ہم وطنوں کو ان کی ضرورت ہے۔

اسرائیلی فضائیہ نے ان کے اپارٹمنٹ میں ان کے کمرے کو براہ راست نشانہ بنایا۔ ان کی صاحبزادی لبنیٰ کے مطابق اسرائیلی فوج نے ان کے والد کو ڈائریکٹ ٹارگٹ کیا۔

ڈاکٹر مروان کے ساتھیوں نے بتایا کہ ”غزہ میں وہ 21 ماہ تک اپنے عہدے پر رہے، مریضوں کے علاج کے دوران کبھی ہسپتال نہیں چھوڑا۔“ دسمبر 2023 میں ڈاکٹر مروان نے اسرائیلی فوج کی دھمکیوں کے سبب اپنی ٹیم کے ساتھ ہسپتال کو خالی کیا تھا۔

ڈاکٹر مروان آخری فرد تھے، جو تمام مریضوں کی حفاظت کو یقینی بنا کر ہسپتال سے رخصت ہوئے۔

اقوام متحدہ اور صحت کی بین الاقوامی تنظیموں کے مطابق اسرائیل نے اکتوبر 2023 سے اب تک غزہ میں کم از کم 492 ڈاکٹرز اور ہیلتھ ورکرز کو براہ راست نشانہ بنا کر قتل کیا۔

ڈاکٹر مروان سلطان نے پاکستان کی لیاقت یونیورسٹی آف میڈیکل اینڈ ہیلتھ سائنسز، جامشورو سے 2001 میں گریجویشن کی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد ان کے ساتھیوں نے بتایا کہ ڈاکٹر مروان نے کہا کہ ”میں واپس آ رہا ہوں، مجھے غزہ کی ضرورت ہے اور غزہ کو میری ضرورت ہے۔“

ڈاکٹر مروان ہارٹ سپیشلسٹ تھے انہوں نے دل کی سرجری میں مہارت حاصل کی لیکن غزہ کبھی ان کے دل سے نہیں نکلا۔

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام یعنی (خانہ کعبہ) سے مسجد
اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرد اگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم
اسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

ماہنامہ

براہِ راست

لاہور

جلد 11 شمارہ 06 جولائی 2025ء

مُدیر: مرزا محمد الیاس

ویب سائٹ: www.barah-i-rast.com
برقی پتہ ادارتی امور: editor@barah-irast.com
برقی پتہ انتظامی امور: contact@barah-i-rast.com

Price Rs.70

پبلشر مرزا محمد الیاس نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر 9/1A رائل پارک لاہور سے شائع کیا

اس شمارے میں

- کلام اقبال
- اداریہ

خوراک فاؤنڈیشن موت فاؤنڈیشن بنادی گئی

غزہ خوراک فاؤنڈیشن: امریکی ایجنڈا، موت کا پھندا

حماس مستقل اور مستحکم جنگ بندی چاہتی ہے

مغربی کنارہ صہیونی فوج گاؤں گاؤں حملے کر رہی ہے

- فلوٹیلا سے میڈلین تک
- صہیونی گینگسٹرز۔۔۔کل بھی انسان دشمن، آج بھی
- صہیونیت اور ہندتوا: نظریاتی سفر اور عملی تعاون
- ہم سب فرنٹ لائن پر ہیں
- سی این این: امریکہ کا اسرائیل ایڈیشن سچ کا کھلا دشمن
- صہیونی فاشزم کی بنیادیں: وائٹ ہاؤس کے اندر ہیں
- ایران میں رجیم چینج: تل ابیب میں حکومت تبدیل کر دے گی؟

نگاہ فقر میں شان سکندری کیا ہے

کلامِ اقبال

نگاہ فقر میں شان سکندری کیا ہے
خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے
بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے
فلک نے ان کو عطا کی ہے خواجگی کہ جنہیں
خبر نہیں روش بندہ پروری کیا ہے
فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے
اسی خطا سے عتاب ملوک ہے مجھ پر
کہ جانتا ہوں مآل سکندری کیا ہے
کسے نہیں ہے تمنائے سروری لیکن
خودی کی موت ہو جس میں وہ سروری کیا ہے
خوش آ گئی ہے جہاں کو قلندری میری
وگرنہ شعر مرا کیا ہے شاعری کیا ہے

اداریہ

مکافات عمل کا آغاز

جون کا مہینہ اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے باوصف بالآخر اختتام کو پہنچا۔ غزہ کے لیے حالات کی کروٹ میں ہر فلسطینی کے لیے آزمائش اور ابتلاء کا ہر دم نیا سلسلہ دراز ہوا۔ فلسطین کو حرفِ غلط کی طرح مٹانے کی ہر نئی کوشش حرفِ غلط ثابت ہوئی۔ دنیا بھر سے غیر مسلم ممالک سے یہ گواہی آتی گئی کہ مشرق وسطیٰ میں فحاشی کے نئے اڈے سافٹ امیج بنانے والوں کے لیے شرم سے ڈوبنے کا سامان ہیں۔ حماس کو کسی نئی عرب بہار بنانے والے موسم خزاں سے بھی نہ جوڑ سکے اور حماس کو فلسطین سے بے دخل کرنے والے اپنی جغرافیائی حدود کو بچانے لگے۔ ایران پر اسرائیل کے حملے سے ایٹمی پروگرام کے خاتمے کو یقینی سمجھنے والے نیتن یاہو امریکہ کو لے آئے پھر بھی اس خواہش کے علی الرغم کام ہوا۔ معاملہ بے یقینی کی جانب بڑھ گیا کہ مطلوبہ نتیجہ برآمد ہوا یا گو ہر مطلوب ہاتھ نہ آیا۔ اسرائیل نے اپنی حدود سے نکل کر شام ولبنان کے بعد ایران تک ہاتھ صاف کرنے کی جو غلطی کی وہ اس کے لیے پہلی مرتبہ اس کے شہروں کی تباہی کا پیغام لائی۔ غزہ میں نئے نظام کی ابتداء کے طور پر خوراک فاؤنڈیشن نسل کشی کا ناکام ایڈیشن ثابت ہوئی اور اس کی مدد کے لیے سیف ریسرچ سلوشنز (SRS) کو لانا پڑا۔ اسرائیل کی فوج کھل کر مزید بے نقاب ہوئی۔ خوراک کا مختصر کوٹہ لینے کے لیے آنے والوں کو گولیوں سے اس کا سبق پڑھایا جارہا ہے۔

اگر ان تمام واقعات کے نظری اور عملی امور کو دیکھا جائے تو قدرت کے فیصلے بدنیت انسانی قوتوں پر کھلتے نظر آتے ہیں۔ یورپ کی اکثر پارلیمان میں تاریخ میں پہلی بار صدائے احتجاج بار بار بلند ہوئی۔ وہاں کے ارکان نے اپنی حکومتوں کے ضمیر جگانے کی کوشش کی کہ غزہ کے بچوں کا جرم کیا ہے، بیس ہزار کے لگ بھگ معصوم جانوں کے خون سے کون ساریویریا بنایا جارہا ہے۔ اب پورے کا پورا ان بچوں کے ہی لہو میں ڈوبا نیتن یاہو کہہ رہا ہے کہ ہم نے کون سے بچے مارے؟ وہ اپنی حد تک یہی کذب تراشی کررہا ہے۔ اس کے ووٹر صہیونی تل ابیب اور حیفا میں کہہ رہے ہیں کہ ہم نے کوئی بچے نہیں مارے۔ لیکن اقوام عالم گواہی دے رہی ہے کہ ڈاکٹر نجار کے نو بچے اور ڈاکٹر مروان سلطان کے پانچ بچے تو گواہی کے طور پر دنیا پیش کر رہی ہے۔ کل تک یورپ کی اور امریکہ کی سڑکوں پر ان کی دانش گاہوں کے لوگ سراپا احتجاج تھے، اب ان کی سرکاری پارٹیوں کے ارکان کہہ رہے ہیں کہ خدارا! اس انتقام کو کسی قومی زندگی کا ایسا عنوان بنانے والوں کو نیتن یاہو، سیموٹریش اور اتمار بن گویر بننے سے روکا جائے۔ اگر آج کیئر سٹارمر، میکرون اور دوسرے تیسرے اسرائیلی کردار بن رہے ہیں تو فلسطین کے محافظ صلاح الدین ایوبی کو انسانیت غیرت مند فاتح کے طور پر یاد کرے گی جب وہ بیت المقدس میں داخل ہوا تو یہ تاریخ دھراتے ہوئے داخل ہوا جب عمر فاروقؓ نے سپہ سالار کو خط میں لکھا کہ دیکھا! کوئی عبادت گاہ نہ جلانا، کھڑی فصلیں اور مکانات تباہ نہ کرنا اور جو امان کا طالب ہو، اپنے گھر میں داخل ہو جائے، اسے قتل نہ کرنا۔ اور ایک تاریخ بیت المقدس کی اس کے نوے (90) سال بعد مسلم خون سے صلیبی لشکر نے لکھی کہ بیت المقدس کی وسیع و عریض گلیاں خونِ مسلم سے یوں بھر دی گئیں کہ صرف ایک دن میں تلوار سے 60 ہزار مسلم مرد و زن شہید کر دیے گئے۔ وہی ایک دن اب دو سال میں تبدیل ہو چکا ہے اور 60 ہزار فلسطینی جانیں توپ و تفنگ سے سرخ کر دی گئی ہیں۔ اب غذائی امداد کے نام پر دور دراز سے فلسطینیوں کو ہانک کر لایا جاتا ہے، جی ایچ ایف کے کنٹریکٹرز اور اسرائیلی فوج انہیں گولیوں سے بھون کر خوراک کے لیے آنے والوں کو کہتی ہیں کہ۔

طعام حاضر ہے کھائیے صاحب!

اب برطانیہ، فرانس، کینیڈا جیسے بڑوں کی سڑکوں پر ''فری، فری فلسطین'' کی صدائیں گونج رہی ہیں لیکن ریاض، دمام، طائف، دوحہ اور برج خلیفہ جیسے میناروں پر موت سی خاموشی ہے۔ اگر کچھ گونج رہا ہے تو لبرل سافٹ امیج ہے جو رقص و سرود سے شروع ہوتا ہے اور فلسطینیوں کے قاتل کو ذاتی طور پر چالیس کروڑ ڈالر کا منقش اوطلس باتھ رومز سے مزین طیارہ گونج رہا ہے، الامان والحفیظ۔ مسلم دارالحکومتوں کا جرم ضعیفی کبھی بھی اتنا سنگین تو نہ تھا۔ واللہ! فرشتے بھی شرم وحیا کے ان جنازوں کا نظارہ مکہ ومدینہ کی فضاؤں میں دیکھ کر شرما سے گئے ہوں گے۔

فلسطین اور حماس کا جرم کیا ہے؟ کبھی یہ سوال مسلم حکمرانوں نے خود سے کیا ہو تو بوڑھے اربکان اور راشد الغنوشی کی معاملہ فہمی کا جواب قید و بند سے دینے والوں کا قبلہ اسی لندن اور واشنگٹن سے ملے گا۔ جرم یہ ہے کہ فلسطین نے جہاں اوسلو معاہدوں کے شریک کار یاسر عرفات کے جانشین اور نام نہاد فلسطینی اتھارٹی کے

صدر محمود عباس المعروف ابو ماذن کو مسترد کیا اور اسلامی تحریک حماس کو غزہ میں جگہ و عزت دی۔ ان سے یہ خطرہ محسوس ہوا کہ یہ سرخرو ہوئے تو پورا عرب ایک بار پھر دامن اسلام سے بھر جائے گا۔ بادشاہتیں اور امارتیں ڈوب جائیں گی۔ اسی خیال خام کو جام عجم بنانے کے جملہ آرزومندوں نے بوڑھے اور معذور شیخ احمد یٰسین کو وہیل چیئر پر بیٹھے کو میزائیل سے اڑایا، پھر ڈاکٹر عبدالعزیز رینتیسی، پھر اسماعیل ھنیہ، صالح العاروری پھر ابو ابراہیم السنوار کو میدان جہاد میں نشانہ بنایا۔ پھر بھی پیٹ نہ بھرا اور شکم خیزی محسوس ہوئی تو غزہ پر آتش و آہن کی بارش کر رہے ہیں۔ ڈونلڈ ٹرمپ کے حضور کھربوں ڈالر کے نذرانے پیش کرنے والوں کو پھر بھی یہ طعنہ سننے کو ملا کہ مہمان نوازی کے اسلوب اور آداب نہیں جانتے، حالاں کہ اسی مہمان نوازی کے مظاہرے کے طور پر اپنی دوروبہ کھڑی بیٹیوں سے ان کے لہراتے بالوں سے نذرانے پیش کرنے کے شرم ناک مظاہرے تک کر دیے گئے۔

اب یہی بادشاہتیں اور امارتیں ابراہام معاہدوں کے ذریعے اسرائیل کے ناجائز اور قاتل وجود کو تسلیم کرنے کو ہیں۔ بہ ظاہر یہ کہہ دیا گیا ہے کہ جب تک ''دو ریاستی حل'' کے تحت آگے بڑھا نہیں جاتا، اسرائیل کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔ یہی تو وہ ''دو ریاستی'' شراب ہے جس کا ایک اسرائیل ہے اور اور کبھی ہو سکا تو ''دو'' یا دوسرا فلسطین ہے۔ اس میں بھی اسرائیل غالب ہے اور فلسطین مغلوب ہے۔ اب اسی ابراہامی معاہدوں میں شامل ہوئے بغیر ریاض کی راج دھانی بھی شامل ہے۔ ایک بڑے سپہ سالانہ کو ایک عشائیے پر رام ہوتے بھی دنیا دیکھ لے گی۔

اسی لیے کہا گیا ہے کہ قومیں میدان جنگ جیت جاتی ہیں اور میز پر مذاکرات میں ہار جاتی ہیں۔ جس حماس کو شکست دینے کے نعرے وائٹ ہاؤس اور 10 ڈاؤننگ سٹریٹ میں غلغلۂ ہائے ہو مچائے ہوئے ہیں، اسے غزہ سے جلاوطن کیے جانے کی باتیں کی جا رہی ہیں۔ دو سال حماس کے خاتمے کا اعلان کرنے والے کہہ رہے ہیں کہ حماس کو نکال کر نیا نظام لانے کی شرط پر 60 دن کا سیز فائر کریں گے۔ غزہ کا نظام نیا انتظام سنبھالے گا۔ یہ خود جانتے ہیں کہ یہی متبادل انتظام نیتن یاہو سے مارچ 2024ء سے اس کی جنگی کابینہ کے ارکان مانگتے رہے۔ اس جنگی کابینہ میں اسی نکتے پر جنگ ہوتی رہی لیکن نیتن یاہو، جو بائیڈن اور سٹارمر سمیت کوئی بھی متبادل نظام نہ لا سکا۔ اس انتظام کو نافذ بل کہ مسلط کرنے کے لیے اسرائیل کی قابض صہیونی فوج غزہ کی گلیوں میں فلسطینیوں کا قتل عام کر رہی ہے۔ یہ ضمانت ان متبادل انتظام والوں کو حاصل ہے۔

امریکہ نے غزہ خوراک فاؤنڈیشن والوں کو لا کر نیا نظام لانے کی اپنی سی کوشش شروع کی ہے۔ امریکہ بہترین دماغ، بہترین مہارت، زبردست صلاحیت کے لوگ ٹرمپ کے دائیں بائیں سے اٹھا کر اس کام میں کھپا دیے گئے ہیں۔ حماس کسی قسم کی مداخلت نہیں کر رہی۔ وہ تو چاہتی ہے کہ اہالیان غزہ کو خوراک ملے، غذائی امداد ملے، وہ کیوں کر اسے روکے گی۔ لیکن کیا ہو رہا ہے؟ جن کرداروں نے ٹھنڈے ماحول میں رہ کر انسانوں کا قتل کیا ہو، عراق و یمن و لیبیا کو خون میں نہلایا ہو، افغانوں کے لہو سے پیدا ہونے والی بدہضمی کے ساتھ خوار ہو کر نکلے ہوں، وہ غزہ میں امن کہاں سے لائیں گے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ غذائی امداد کے مراکز پر ان کے کنٹریکٹرز سے کوئی خون خرابہ نہیں ہوا۔ نظام کی محافظ قابض فوج روزانہ سو پچاس فلسطینیوں کا خون کرتی ہو، وہ متبادل کس طرح بن پائے گی۔

جس سیز فائر یا جنگ بندی کی 60 روزہ باتیں اب اسرائیل اور امریکہ کر رہے ہیں، اس کی کوئی حیثیت یا وقعت باقی نہیں رہی ہے۔ اس کی پہلی بات یو یہ ہے کہ غزہ میں کوئی جنگ نہیں ہو رہی۔ وہاں اسرائیلی قابض فوج قتل عام اور تباہی و غارت گری کر کے غزہ کو ایک چٹیل میدان المعروف اسرائیل کا پارکنگ لاٹ بنانے میں مصروف ہے۔ اس لیے حماس مطالبہ کر رہی ہے کہ اسرائیلی فوج غزہ سے نکل جائے۔ غزہ میں حماس کا کردار تسلیم کیا جائے۔ اس کی سب سے مستحکم دلیل یہ ہے کہ اس تباہی کے باوجود حماس کا نظام موجود ہے۔ اس کی پولیس کام کر رہی ہے، اس کے حکومتی ادارے اپنے کارکنوں کی شہادتوں کے باوجود کام کر رہے ہیں، کسی نئے یا متبادل نظام کی ضرورت ہے نہ گنجائش۔

اسرائیل غزہ میں جس سنگین صورت میں فلسطینیوں کی نسل کشی کر رہا ہے، اب دنیا بھر میں اس کی مذمت ہو رہی ہے۔ کہا جاتا تھا اور جون سے پہلے تک کہا جاتا رہا کہ اسرائیل ناقابل تسخیر ہے۔ اس ناقابلیت کا بھانڈا بیچ چوراہے میں ایران نے بری طرح پھوڑ دیا ہے۔ اسرائیل نے ایران کے ایٹمی پروگرام پر حملہ کر کے جانا کہ اس کی مختصر آبادی بنکروں میں ہی رہے گی۔ ایرانی میزائیلوں نے اس کے اثاثوں سمیت جدید ترقی کے دعوے دار شہروں کو صرف چھ دنوں میں ہی ملبے کا ڈھیر بنا دیا۔ امریکہ نیتن یاہو کی چال میں آ کر اپنی فوج مروانے کے لیے تہران میں اتارنے پر تیار نہیں ہوا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اب اسرائیل کے لیے مکافات عمل کا آغاز ہو چکا ہے۔ اب حماس کی شرائط پر ہی بات ہوگی۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں ہوگا۔ غزہ پھر تعمیر ہوگا جس سے مغربی کنارے اور بیت المقدس کو قوت ملے گی۔ اس کے علاوہ کوئی اور راستہ بھی نہیں۔ مصر واردن کو حالات کے دھارے کی تبدیلی کا احساس ہو چکا ہوگا۔ تیونس و مراکش سے نکلنے والا کاروان اب اصفہان و کابل سے نکلے گا۔ کوئی اسے اب روک نہیں سکے گا۔ ان شاءاللہ

دامنِ خیال: مرزا محمد الیاس

غزہ میں ہولوکاسٹ کا انتقام فلسطینیوں سے لیا جا رہا ہے

خوراک فاؤنڈیشن موت فاؤنڈیشن بنا دی گئی

خوراک کو ہتھیار بنتے جدید دنیا نے پہلی مرتبہ دیکھا اور خاموش رہی۔ پانی کی ایک ایک بوند کو لوگ ترسے اور عالم اسلام نے چپ سادھے رکھی۔ ادویات کی ایک ایک ٹیبلٹ کے لیے ننھے مریض تڑپے اور عالم تمام دیکھتا رہا۔

جب خوراک کو ہتھیار بنایا جا رہا تھا:

یہ مئی 2025ء کے دوسرے عشرے کے خاتمے سے پہلے کا قصہ ہے۔

وہ خاتون گرد و غبار میں اٹی ہے۔ وہ گھٹنوں تک جھکی ہوئی ہے گویا حالت رکوع میں ہو۔

وہ دبلی پتلی، ہانپتی کانپتی چلی آتی ہے اور پھر جھک جاتی ہے۔

وہ زیادہ عمر کی بھی نہیں، بھوک نے اسے بوڑھا کر دیا ہے۔

وہ چلتی ہے تو زبان باہر لٹک جاتی ہے، ہڈیاں چٹختی ہیں!

وہ لباس میں ہے لیکن بے لباس ہے۔

اس کا چہرہ دھول ہے، دھول کی مانند نہیں۔

اس کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں گویا استخوانی پنجے ہیں جنہیں وہ چلتی ہے تو زمین میں گاڑ لیتی ہے۔

اس کے ارد گرد اور دوسرے بھی جھکے ہوئے، گویا نماز میں ہوں لیکن نماز میں تو نہیں۔

وہ شدید مایوسی کے کرب میں ہے، آٹا لینا ہے اسے!

اسے تو پورے دانے بھی نہیں ملیں گے، شاید باقیات یا شاید۔۔۔ دھول!

تیز ہواؤں نے، فوجیوں کے بوٹوں نے، بموں کے پھٹنے نے، کیا کچھ نہیں لے لیا اس سے!

پھر وہ پھوٹ پڑتی ہے:

وہ زمین میں، دھول اور مٹی کے سمندر میں غرق ہونے لگتی ہے:

بھوک کا وزن کس قدر زیادہ ہے وہ کیسے اٹھا پائے گی بھوک!

پھر اس کی چیخیں آسمان کا سینہ چیرتی ہیں۔

وہ چلاتی ہے، وہ زبان کی نرمی اور لہجے کی حلاوت کھو بیٹھی ہے۔

اس کی آواز صدا ہے، صدائے احتجاج!

اس کی صدا غزہ کی گلیاں سنتی ہیں جو آج بڑی ظالم ہو گئی ہیں۔

''میرے بچے! میرے انتظار میں بیٹھے میرے بچے!''

''کیا دھول زدہ، زمین میں ملا آٹا کھائیں گے؟''

''وہ جو کسی کے تھیلے کے گرنے سے زمین نے کھا لیا؟''

''وہ آٹا کھائیں گے میرے بچے!''

وہ بجری اور کنکر سے دھول زدہ زمین سے آٹا چنتی ہے۔

''کچھ تو کھانا ہے میرے بچو!''

یہ محض بھوک نہیں ہے۔ یہ خدائی عذاب نہیں ہے۔ یہ ''انسان'' نے انسان کے لیے عذاب تیار کیا ہے۔ لوگوں کو توڑنے کے لیے، محض مارنے کے لیے نہیں۔ وہ مر تو دو سال سے رہے ہیں۔ یہ تو ان کو توڑنے کے لیے ہے۔

لیکن برداشت نے بھی برداشت کو غزہ میں ہی دیکھا ہے۔

اسرائیلی جرنیلی منصوبہ روبہ عمل ہے۔ ''انہیں بھوک، پیاس اور بیماری سے ماریں گے۔ غذا کی فراہمی یہی ہے۔ بھوک اور پیاس اور بیماری اور۔۔۔ قطرہ قطرہ موت!''

کسی یہودی کی، صہیونی بناتی بستی کا کسی نے نظارہ کرنا ہو تو غزہ میں تین دن اور تین راتیں گزار لے:

جہاں زبان حلقوم کا ساتھ چھوڑ جائے گی!

جہاں معدہ ہوٹنوں پر جم جائے گا!

جہاں جگر سوختہ ہو کر پیٹ سے نکل آئے گا!

لوگ جمع ہو رہے تھے کہ امریکی افسر خوراک تقسیم کریں گے، اسرائیلی تو محض دیکھیں گے۔ رفاہ کی سرحد لوگوں سے بھرتے بھرتے کچھ زیادہ ہی بھر گئی تھی۔ خوراک فاؤنڈیشن کی بیرک میں بے پناہ رش تھا!

لوگ ہی لوگ، بچے، بوڑھے، جوان، مرد بھی عورتیں بھی!

اس دن کے لیے صہیونیت نے غذائی امداد 31 مارچ کے بعد غزہ داخل ہونے نہیں دی۔ لکیر کے اس پار امداد کے ہزاروں ٹرک کھڑے تھے، لکیر کے اس پار ہزاروں لاکھوں بھوکے کھڑے تھے۔

''ہمیں اسرائیل بھوک کے ہتھیار سے مارچ سے مار رہا ہے۔ اب خوراک فاؤنڈیشن میں امریکی آئے ہیں، اب غذا ملے گی۔''

پھر خوراک والی بیرک موت کا جال بنا دی گئی۔

گولیاں چلنے لگیں، بھوکے پیاسے بھاگنے لگے!

وہ چٹیل میدانوں میں کسی پناہ کو تلاش کرتے رہے۔

وہ زمین پر لیٹ گئے، بھوکی عورت بن کر جو آٹا تلاش کرتے کرتے زمین دوز ہو گئی تھی، گولی تو زمین روز کو بھی چاٹ جاتی ہے۔ غزہ والے سوچتے رہ گئے۔

''اسرائیل مہینوں سے ہمیں بھوک سے، پیاس سے مار رہا ہے۔ اس نے ہماری ساری خوراک، غذائی امداد رفاہ سے ہی کاٹ دی تھی۔ پھر پتہ چلا کہ امریکہ نے خوراک فاؤنڈیشن بنائی ہے، وہ ہمیں خوراک دے گی۔

نتیجہ بالکل سیدھا، کسی پیچ و تاب کے بغیر تباہ کرنے والا، ہمارے جسموں سے رہا سہا خون نچوڑنے والا۔ جو کچھ سنا تھا وہ نہ ہوا۔ جس کا ڈر تھا، وہ سامنے آ گیا۔ ایک تقسیم کاؤنٹر اور ہزاروں لاکھوں خوراک لینے والے۔ سب بھوکے، پیاسے، میلوں پیدل چل کر آئے۔ غذا بانٹنے والے کم اور لینے والے زیادہ۔

پھر وہی ہوا۔

گولیاں چلیں اور چلتی رہیں۔ جسم زمین دوز ہوتے رہے۔ زخمی زخم کھاتے گئے۔ کسی کو امداد ملی، کسی کو گولیاں۔

گولیاں زیادہ تھیں۔ مارنے والے اسرائیلی فوجی چاروں طرف اور کھانے والے پناہ کی تلاش میں۔

ایک ماں اپنے بیٹے کے ساتھ آئی۔ گولیاں چلیں، دونوں بچھڑ گئے۔ جب گولیاں تھمیں، اسے اپنے بیٹے کی تلاش نے بے کل کر دیا۔ دائیں طرف سے لوگ ایک چادر میں کوئی شہید لے جا رہے تھے۔ ماں نے لباس پہچانا۔ ان کو روکا، چہرہ دیکھا اور چیخ کر بولی:

''یا اللہ! خوراک بھی نہ ملی اور بیٹا بھی لے لیا۔''

ادھر جب تقسیم شروع ہوئی۔ قطار کیا تھی، بس دو طرف خاردار باڑ کے درمیان کوئی تین لوگوں کے متوازی نکلنے کا راستہ تھا۔ وہاں تو دس دس افراد تھے۔ بالکل پیک، مرد و زن جڑے ہوئے، بچے بڑے جڑے ہوئے، بالکل بھینسوں کے باڑے کی مانند، اوپر جلتا اور جلاتا سورج مئی کا شدید حبس۔

امداد کیا تھی! آٹا، ڈبہ بند پھلیاں، خشک پاستہ، نا میانی گھی۔ لوگ سوچ رہے تھے:

''ہماری اس قدر توہین، اس قدر ذلت کہ بھوک اور پیاس بھی اچھی لگنی لگے۔ بہت لوگوں نے قطار میں وقت گزارا۔ گھنٹوں کھڑے رہے، جب توہین اور ذلت دیکھی تو قطار چھوڑ دی اور نکل گئے۔ سب قبول ہے لیکن یہ توہین اور ذلت قبول نہیں۔

وہ قطار سے باڑے سے نکل کر چند قدم ہی چلے کہ فضا گولیوں سے تڑتڑا اٹھی۔

واقعات کا اس ترتیب سے ہونا ضروری ثابت نہ ہوا۔ قسمت کی خرابی اور طرح بھی لکھی تھی۔

یہ خوراک کے ناخداؤں، امریکہ و اسرائیل کی طے شدہ حکمت عملی تھی۔ ہر آنے والے فلسطینی کو اس طرح واپس بھیجا جائے کہ یا تو ہاتھوں اور کندھوں پر جائے۔ اگر اپنے قدموں پر بھی جائے تو جب پکارا جائے، غزہ سے نکل جانے کو ترجیح دے۔ لیکن غزہ کے ہر فلسطینی کا عزم یہ تھا: ''بھوک قبول ہے، پیاس قبول ہے، غزہ سے جانا قبول نہیں۔ مرنا قبول ہے، بم اور میزائیل قبول ہے لیکن زمین چھوڑنا قبول نہیں۔''

''ہمیں مجبور کر دیا گیا ہے کہ ہم موت کی تمنا کریں۔ ہمیں قائل کر لیا جائے کہ موت بہتر راستہ ہے۔''

''اگر موت ہی بہتر راستہ ہے تو لڑ کے کیوں نہیں، مارنے والے کو چیلنج کر کے موت قبول کریں گے۔''

''ایک فلسطینی دوسرے سے کہہ رہا تھا، پھر یہی بات بار بار سننے میں آئی، لوگ کہہ رہے تھے: ''وہ خوش قسمت ٹھہرا جو شہید بن گیا۔'' پھر یہ بات غزہ کے اندر اور باہر سنی اور کہی جانے لگی:

''ہمارے بچے یہاں شہید ہو گئے، ہم انہیں چھوڑ کر بھاگنے والے بن جائیں؟''

''ہمارے اماں بابا ہمارے اوپر لیٹ گئے، ہمیں بچا گئے، ہم انہیں اکیلے کیسے کر جائیں۔ یہیں رہیں گے، یہیں مریں گے۔''

لوگوں نے ایک دوسرے سے کہنا شروع کیا:

''توہین یا موت، یہی دو راستے کیوں؟''

توہین محض ایک احساس نہیں ہے۔ یہ ایک مشین ہے، آہستہ لیکن مسلسل پیسنے والی، جو ایک انسان کو بتدریج دنیا کی نگاہوں میں کمتر بنا دیتی ہے۔ پھر ہم اپنی ہی نظروں میں گر جاتے ہیں۔

''ہمیں بھوکے اور مایوس لوگوں میں تبدیل کر دیا۔ ہمارے بچے جو بڑے ناز میں پالے تھے، خالی پلیٹیں لیے، خالی دیگچی لیے خوراک مانگتے پھرتے ہیں۔ ہمیں گندے اور بدبودار خیموں تک محدود کر دیا گیا۔ یہ بھی تو موت سے پہلے کی موت ہے۔ پہلا پڑاؤ ہے، اس کے بعد بھی تو موت ہی ہے۔ ہماری نفسیاتی اور سماجی نس بندی کی جا رہی ہے، یہاں اس ماحول کو ہم ناقابل برداشت کے باوجود معمول کی بات سمجھ رہے ہیں۔''

ایک فلسطینی بتا رہے تھے کہ جب وہ اپنے گھر میں رہ رہے تھے، ان کا گھر غزہ سٹی میں الرمل میں تھا۔ انہوں نے قابض فوجیوں کو گھر میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ وہ دروازے کو بم سے اڑا کر اپنی گنیں سیدھی کیے، دندناتے ہوئے آئے۔ وہ داخل ہوئے تو مجھے یقین ہونے لگا کہ اب یہ ہم سب کو جان سے مار دیں گے۔ میں مطمئن ہونے لگا کہ ایک بار ہی مرنا ہے تو ایسے ہی سہی۔ میں سکون سے مر تو سکوں گا۔

ہمارے گھر میں تین دن کا فاقہ تھا۔ نہ کھانے کی کوئی چیز اور نہ پینے کو صاف پانی تھا۔ ہمارے پڑوس میں مکمل محاصرہ تھا۔ ٹینکوں نے بظاہر شیل زدہ ماحول کر رکھا تھا۔ پہلے گھر کے باہر گولیوں کے نشان تھے۔ گولیوں کے جابہ جا خول تھے۔ دیواریں گولیوں نے چھلنی کر رکھی تھیں۔ اب اندر کا ماحول بھی ایسا ہی تھا۔ کھڑکیاں اور دروازے بلٹ زدہ تھیں۔ ہمارے قریبی ایک گھر کو بم سے اڑا دیا گیا تھا۔ کیا خوب صورت ہوا کرتا تھا وہ گھر۔ اب دیواریں بھی سلامتی سے محروم کر دی گئی تھیں۔ ہم اب بھی گھر کے اندر تھے۔ ہمیں محسوس ہو رہا تھا کہ اب ہمارے جانے کی باری ہے۔

فوجیوں نے ہمیں ہینڈز اپ کرا دیا۔ وہ عبرانی میں بات کر رہے تھے۔ صرف ایک انگریزی میں احکامات جاری کر رہا تھا۔ انہوں نے ہماری نفری کی دو قطاریں بنوا دیں۔ ایک عورتوں کی قطار اور دوسری مردوں کی۔ مردوں یعنی ہم سے کہا کہ کپڑے اتار دو۔ وہ ہمیں پوچھ گچھ کے لیے الگ کمرے میں لے گئے۔ لگتا تھا کہ اس فوج کو سکول طرز کے احکامات دینے کے سوا کچھ نہیں آتا۔ ایک قطار میں کھڑے ہو جاؤ، بیٹھ جاؤ، شٹ اپ، شٹ اپ۔

ایک فوجی کرسی پر بیٹھ گیا اور حکم دیا: ''فرش پر اکڑوں بیٹھ جاؤ۔ وہ ہمیں کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔ اس نے اپنا کھانے کا سامان کھولا، اپنے لیے پانی نکالا اور غٹا غٹ پی گیا۔ ایک ہی سانس میں۔

رات کا وقت تھا۔ دسمبر کی 24 تاریخ، یخ بستہ، سخت تاریکی۔ ہمیں حکم دیا گیا: باہر نکلو، فون چھوڑ دو، روشنی بھول جاؤ۔ یہ جانے بناء کہ باہر نکل کر جانا کہاں ہے؟ ہمارے پاس کوئی کپڑے نہ تھے۔ کچھ اندازہ نہ تھا کہ گھر کو بم سے اڑا دیں گے یا پھر کیا کریں گے۔

خوف کی ہی حکمرانی تھی۔ فوج کا کتا بھونک رہا تھا بالکل جس طرح فوجی بھونکتا جا رہا تھا: یہ کرو، وہ نہ کرو، اوہ! بلڈی باسٹرڈ وغیرہ۔ میں کتے سے بچنے کے لیے ایک طرف ہو لیا۔ ایک فوجی پھنکارا اور اپنی گن میری طرف سیدھی کر کے چیخا۔ میں سخت خوفزدہ تھا۔ فوراً بھاگا اور آگے نکل آیا۔

میری دادی، 1948ء کے نکبہ سے چند ماہ قبل ہی پیدا ہوئی تھیں۔ وہ وہیل چیئر میں تھیں کہ اس ہاؤ ہو میں گر گئیں۔ ان کے قریب ہی کہیں دھماکہ ہوا تھا۔ دھماکے نے ان کی وہیل چیئر ہلا کے رکھ دی تھی۔ پھر ہم الشفا ہسپتال پہنچے۔ وہاں رات گزاری۔ ایک کمرے کے گندے فرش پر سب کو دھکیل دیا گیا۔ بھوکے ننگے۔

مریضوں اور زخمیوں کی خوف میں اضافہ کرتی آوازیں تھیں۔ کچھ بلند، کچھ پست، کبھی سسکیاں آوازوں میں بدلتی ہوئی، سب وہاں تھا۔

میں سوچ رہا تھا کہ موت ہی آ جائے لیکن عزت تو چلی گئی تھی۔ اسرائیل کا طریقہ صرف ہمیں کنٹرول کرنے کا نہ تھا۔ اس فوج نے ہم سے ہماری انسانیت چھین لی تھی۔ ہم انسان کہاں رہے تھے۔ ننگے، گلیاں پھلانگتے بھاگتے دوڑتے، گالیاں پھانکتے، بھوکے اور پیاسے۔

ہمیں خطرہ سمجھ لیا گیا تھا۔ اسرائیل کے لیے، سب کے لیے۔ غزہ میں کیا ہو رہا ہے، یہ سمجھنا اور جاننا ہو تو تباہی اور بربادی سے اگلی سطح کا سوچے۔ پھر اسے معلوم ہو سکے گا کہ آرکی ٹیکچر کیا ہے غزہ کا! گھروں کا ملبہ، انفراسٹرکچر کا کچرا۔ اس پر روزانہ کی، ہر لمحے کی خواری، بدتمیزی۔

غزہ میں ہر ذلت، ہر خواری روٹین بنا دی گئی۔ معمول بنا دی گئی۔ یہ حالت تھی جس میں اہل غزہ رہ رہے ہیں۔

آٹا ہفتوں مہینوں رفاہ میں داخل ہونے نہیں دیا گیا۔ ٹرکوں میں پڑا رہا۔ پریشان، پورے کے پورے خاندان خوراک کے لیے میلوں دور سے آئے۔ راستے میں پڑی لاشیں، بموں سے بنے گڑھے، خوراک کے مرکز پہنچنے میں خود موت کے منہ میں آن کھڑے ہوئے۔ وہاں پنجرے ملے۔ فوجیوں سے پھر آمنا سامنا، اب کنٹریکٹر تھے سامنے کھڑے۔ جو کوئی بھی خوراک کی طرف لپکا، فوجی نے فوراً گولی کھلا دی۔ کتنے ہی بے خبری میں خبر بنا دیے گئے۔ پھر گنتی ہونے لگی، روزانہ کے حساب سے، یومیہ چالیس، پینتالیس، سو، ایک سو بیس، پچاس۔ یہ گنتی جاری ہے۔

غذائی امداد، خوراک ایک پھندا بن گئی ہے۔ اس سے گنتی ہو رہی ہے، آسانی سے ہو رہی ہے۔ میڈیا گنتی نوٹ کر رہا ہے۔ کسی کو اس گنتی کے ختم کرانے کی فکر نہیں۔ اب موت بم سے کم آ رہی ہے، اب معدہ کانا پھوسی کر رہا ہے کہ موت سامنے کھڑی ہے۔ خوراک لینے جاؤ، آٹے کا تھیلا اٹھاؤ اور مر جاؤ۔ عالمی ادارہ صحت معیار مقرر کر رہا ہے: صرف 2100 کیلوریز فی کس۔ عالمی ادارہ بھول رہا ہے: موت فی کس اور اس سے زیادہ بالکل نہیں۔

ایک وقت تھا: اپریل 2024ء! شمالی غزہ میں خوراک کا کوٹہ مقرر ہوا، 245 کیلوریز فی دن، آکسفام نے نوٹ کیا کہ اس سے مراد پھلیوں کا ایک ڈبہ، کسی پلاسٹک بیگ میں پیک کوئی پھل، کبھی پورا تو کبھی صرف دانے، انگور کی طرح۔

دادا اور دادی آٹا چباتے، ریت زدہ، کنکر زدہ اور کبھی نشے کی گولیوں زدہ۔ جو کھائے اس کا جسم خود کو کھانا پسند کرے۔ یہ سب کچھ حادثاتی نہیں تھا، باقاعدہ پلان کیا گیا تھا۔

جب 1941ء میں جرمنی سوویت یونین پر حملے کی تیاری کر رہا تھا۔ وزیر خوراک رچرڈ دارے اور اس کا سٹیٹ سیکرٹری ہربرٹ بیک ہنگر پلان تیار کر رہے تھے۔ سوویت یونین کے شہریوں کو بھوک سے مارنے کا منصوبہ تیار کیا جا رہا تھا۔ ان کے حصے کا کھانا جرمن فوجیوں کو دیا جا رہا تھا۔

اب غزہ کے فلسطینیوں کا کھانا اسرائیل کے فوجیوں کو کھلایا جا رہا تھا۔

نازی جرمنی نے خوراک کی راشن بندی کچھ اس طرح کی تھی:

- جرمن فوجی: 100 فیصد
- پولش لوگ: 70 فیصد
- یونانی: 30 فیصد
- یہودی: 20 فیصد

یہودی آبادیوں میں تب خوراک ہتھیار کے طور پر استعمال ہوئی تھی۔ اب فلسطینیوں کے خلاف استعمال ہو رہی ہے۔ اب کیا ہو رہا ہے؟

- گوشت پر فوج کا قبضہ: 100 فیصد
- روٹی پر کنٹریکٹرز: 100 فیصد
- فلسطینی کے لیے خوراک: 00 فیصد

ہینز فرینک نے تب کہا تھا کہ ہم 12 لاکھ یہودیوں کو بھوک سے مار دیں گے۔ فرینک اس وقت مقبوضہ پولینڈ کا جرمن گورنر تھا۔

آج غزہ میں 20 لاکھ فلسطینی۔۔ ساری کی ساری آبادی، مرنے پر مجبور کی جا رہی ہے۔ یہ قدرت کا کام نہیں۔ یہ اسرائیل اور امریکہ کا منصوبہ ہے۔ سب کے سب بھوک سے مار دیے جا رہے ہیں۔ عورتوں اور مرد، بچے اور بوڑھے، سب کے سب، بھوکے مر رہے ہیں۔ اس وقت روئے زمین پر غزہ کی پوری آبادی بھوک سے مر رہی ہے۔ آج وہاں یہودیوں کا، صیہونیوں کا قبضہ ہے۔ وہ فلسطینی جسم کو نہیں بل کہ اس کے ساتھ ان کی روحوں کو بھی مسل رہا ہے۔ ہولوکاسٹ کا انتقام مسلمانوں سے غزہ میں لیا جا رہا ہے۔

دامنِ خیال: مرزا محمد الیاس

غزہ خوراک فاؤنڈیشن: امریکی ایجنڈا، موت کا پھندا

اس بات کو سمجھنا ضروری ہے کہ غزہ پر عوامی احتجاج دنیا بھر میں جاری ہے۔ یہ احتجاج حکومتوں پر بہت کم اثر انداز ہو رہا ہے۔ امریکہ اور اسرائیل نئے سیٹ اپ کی تیاریوں میں سارے اقدامات کر رہے ہیں۔ ان کا مقصد فلسطینی عوام کو ریلیف دینا ہرگز نہیں ہے۔ وہ عوام کو اس قدر خوفزدہ کر رہے ہیں کہ وہ کسی بھی نئے سیٹ اپ سے پہلے مکمل اپ سیٹ ہو جائے۔

غزہ میں مختلف تجربات جاری ہیں۔ دنیا دیکھ رہی ہے کہ بے گناہ فلسطینی مارے جا رہے ہیں۔ ایک نئی طرح کا نکبہ جاری ہے۔ اب غزہ خوراک فاؤنڈیشن کی معاونت کے لیے ایک نئی این جی او میدان میں اتار دی گئی ہے۔ خوراک فاؤنڈیشن کی طرح یہ این جی او بھی کوئی ریلیف نہیں دے گی۔ یہ سیف ریسرچ سلوشنز ماہرین پر مشتمل ایک گروہ ہے جو اسرائیل کی فوج کو فلسطینیوں کو مارنے میں تکنیکی مدد دے گا۔

غزہ سے مسلم دنیا نے نگاہیں پھیر رکھی ہیں، کوئی ملک بھی اس وقت امریکہ سے تعلقات خراب کرنا نہیں چاہتا۔ مسلم دنیا خوف زدہ ہے۔ اسے غزہ میں فلسطینی کے مرنے کا تو انتظار ہے لیکن حکومت تبدیل ہو جانے کا خوف دور نہیں ہو رہا۔

نئی این جی او کیا کر رہی ہے، یہ کس طرح فلسطینیوں کے بارے میں اقدامات لینے میں خوراک فاؤنڈیشن اور اسرائیلی فوج کی مدد کر رہی ہے، اس کا جاسوسی کے اداروں کا سا انداز کیا کچھ کر سکتا ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب ضروری ہے۔

امریکہ اور اسرائیل کے درمیان غزہ میں خوراک کی تقسیم کے متنازعہ نظام پر بہت اہم امور پر ان صفحات میں گفتگو کی جا چکی ہے۔ مئی 2025ء میں اسرائیل میں بزنس رجسٹریشن کے لیے دستاویزات فائل کی گئی ہیں۔ ابھی تک دنیا کو یہ علم نہیں ہونے دیا گیا کہ غزہ خوراک فاؤنڈیشن کے لیے فنڈنگ کہاں سے اور کس طرح ہو رہی ہے۔ یہ تفصیلات تو کسی حد تک دنیا کے سامنے آئی ہیں اور ان صفحات میں ان کا مختصراً ذکر بھی ہوا ہے کہ سارے بنک اکاؤنٹس اور آڈٹ فرمز امریکہ میں ہیں۔ اس انتظام کے تحت غزہ میں براہ راست نہ تو کوئی ڈالر، پاؤنڈ یا یورو جا سکتے ہیں اور نہ ہی جنس کی شکل میں غذائی امداد ہی جا سکتی ہے۔ غزہ میں جس نوعیت کی امداد بھی ہے، وہ نقد ہے تو سیدھی امریکی بنکوں اور جنس ہے تو اس

نام نہاد خوراک فاؤنڈیشن کے ذریعہ ہی جا سکتی ہے۔ یہ اس قدر کڑا اور سخت نظام ہے جس کا مقصد صرف یہی لگتا ہے کہ فلسطینی آبادی کو بھوک و پیاس سے مارا جائے اور یہ عمل اس سال مارچ سے جاری ہے۔ اس نظام کے حکام سب امریکی ہیں۔ یہ امریکی ڈونلڈ ٹرمپ کے ساتھ رابطہ اور تعاون میں ہیں۔

اس حقیقت کو بھی سمجھ لینا چاہیے کہ امریکہ کی پہلی حکومت کے کردار فوجی ہتھیاروں کی ترسیل، مغرب سے رابطے اور چند متعلقہ عرب ممالک کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ ان کی منظوری اور رضامندی سے غزہ پر بمباری کا کام بنیامین نیتن یاہو کرا رہے تھے۔

اب یہ کام بھوک، پیاس اور بیماری سے فلسطینی عوام کو مارنے کا لیا جا رہا ہے۔ اس کام میں امریکی حکومت شامل ہے۔ اب ایک اہم حصہ امریکی کنٹریکٹرز کا ہے۔ یوں سمجھ لیجیے کہ ایک نئی طرح کی بلیک واٹر کام کر رہی ہے۔ اس میں نیٹ ورک پھر امریکیوں کا ہی ہے۔ منصوبہ بنانے میں اسرائیلی فوج کے ریٹائرڈز اور حاضر سروس جرنیل ضرور موجود ہیں۔ ان سب کا منصوبہ نسل کشی کا ہی ہے۔ اب تک خوراک کی تقسیم اور ترسیل کا جو بھی کام ہو رہا ہے اس میں:

- اسرائیل کی صیہونی قابض فوج پر اپنے کام پر ہی ہے۔ وہ مختلف طرح سے فائرنگ کا جواز بنا کر یا کسی عدم جواز کے ساتھ بھی فائرنگ کر رہی ہے۔ اس سے فلسطینیوں کو خوف زدہ کرنا مقصود ہے۔ اب تک سینکڑوں فلسطینی مارے جا چکے ہیں اور ہزاروں زخمی ہیں۔
- اسرائیل کی صیہونی فوج فضائی کارروائیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ کہیں سے اسے خبر ملتی ہے کہ فلسطینی غزہ میں کسی جگہ یا ٹینٹ کالونیوں میں آرام محسوس کرنے لگی ہے تو وہاں بمباری کر دی جاتی ہے۔ بعض مرتبہ بس بمباری کی جاتی ہے، اس کی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔
- مصر نے رفاہ سرحد کی بندش میں خاموش اور تابع دار ماتحت کا کردار سنبھال رکھا ہے۔ کسی کو رفاہ کے قریب بھی پھٹکنے نہیں دیا جاتا۔ اردن نے اسرائیل کی فضائی حدود کی حفاظت کا ذمہ خدائی خدمت گار بن کے اٹھا رکھا ہے۔ اسرائیل ایران جنگ میں اس نے یہ کردار بہ خوبی ادا کر دیا ہے۔
- شام اور لبنان کو کمزور کر دیا گیا ہے۔ شام کی نئی حکومت کو امریکہ طلب کر کے کام سونپ دیے گئے ہیں۔ لبنان کو حملوں سے مجبور کر دیا گیا ہے۔
- پاکستان پر بھارت کے حملے کو ٹریلر سمجھنا چاہیے۔ بھارت نے اس حملے میں سخت شکست نہ اٹھائی ہوتی تو ایک بڑا حملہ ہو سکتا تھا۔ پاکستان نے بھرپور جواب سے اس امکان کو مسترد کر دیا، یہ ممکن تھا کہ خدانخواستہ بھارت دس فیصد بھی کامیاب ہو جاتا تو پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر بھی بی۔2 بمبار طیارے حملہ کر دیتے۔
- ایران نے اسرائیل کو سبق نہ سکھایا ہوتا تو اسرائیل کا گیدڑ شیر بنا دیا جاتا۔

اس بات کو بھی سمجھنا چاہیے کہ ٹرمپ نے کہا تھا کہ وہ جنگیں ختم کرنے آئے ہیں۔ وہ امریکہ کی شمولیت کی جنگیں کم کریں گے۔ اصل کام وہ یہ کریں گے کہ امریکی مفادات کے لیے کمزور کو کہیں گے کہ وہ طاقت ور پر حملہ کرے۔ پھر نتائج کے مطابق امریکی فوج مختلف حوالوں اور بہانوں سے کام کرے گی۔

اب آیئے غزہ کی طرف، وہاں خوراک فاؤنڈیشن کی معاونت کے لیے الگ سے سیکیورٹی ایریٹس کام کر رہے ہیں۔ Safe Research Solutions (SRS) کے نام سے ایک سیکیورٹی نظام کام کر رہا ہے۔ یہ نظام 2017ء سے کام کر رہا ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ دنیا بھر میں پے چیدہ صورت حال میں فنکشن کرنے والے اداروں اور تنظیموں کے ساتھ مل کر کام کرتی ہے۔ اس کی تازہ مثال غزہ ہے۔ ایس آر ایس کیا کرتی ہے؟ مثال کے طور پر:

- تجارتی اور حکومتی آپریشنز میں کام کرتی ہے۔ ان میں سب سے پہلے ''انسانی بنیادوں'' پر جہاں آپریشنز ہو رہے ہوں، جس طرح غزہ میں ایک آبادی کو بھوک سے مارنے کا کام ہے، یہ وہاں کام کرتی ہے۔
- ایس آر ایس مشکل ترین حالات میں بنے بنائے حل پیش کرتی ہے۔ مثال کے طور پر غزہ والوں کو موت سے دوچار کس طرح کرنا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ اس کا حل جامع اور بہترین ہوتا ہے۔
- اسے سیکیورٹی، لاجسٹکس اور انسانی بنیادوں پر امداد کی فراہمی کے امور میں مہارت حاصل ہے۔
- یہ سائٹ 2017ء سے عمل میں ہے۔ گویا مشکل ترین صورت میں فوری حل پیش کرتی ہے۔ کوئی سوال کرے کہ اتنی کم مدت میں وہ مشکل ترین حالات میں کس طرح کام کرنے کی اعلیٰ ترین مہارت سے کام کر رہی ہے۔
- اس سائٹ کا ایڈریس team_srs.com ہے۔ مزید تفصیلات وہاں سے بھی مل سکتی ہیں۔

ایس آر ایس غزہ میں کیا کام کر رہی ہے؟

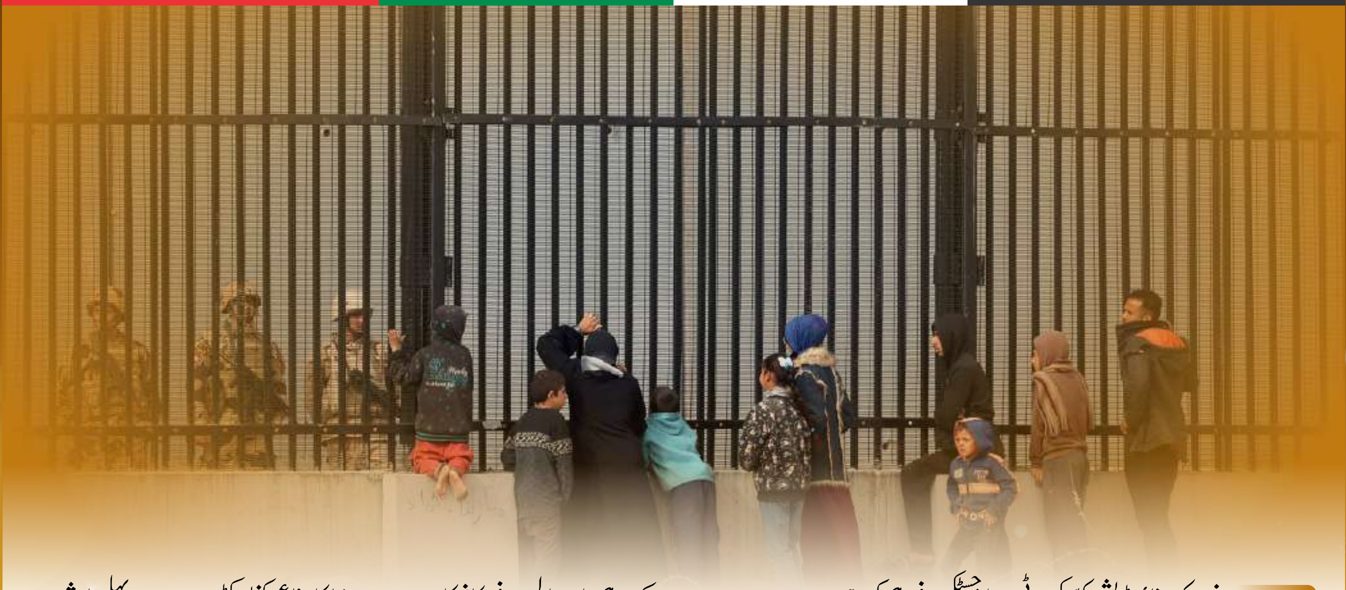

خوراک فاؤنڈیشن کو سیکیورٹی اور لاجسٹکس فراہم کررہی ہے۔

انروا اور اقوام متحدہ کے دیگر امدادی اداروں کو غیر موثر اور غیر فعال کررہی ہے۔ یہ واضح نہیں ہے کہ طریقہ کار کیا ہے۔

ان اداروں کو ایک طرف کرکے خوراک فاؤنڈیشن کو آگے لا رہی ہے۔ اس کے پشت پناہی کرنے والوں کا ابھی تک علم کسی کو نہیں ہے۔

اس سے یہ خیال ابھرتا ہے کہ یہ امریکی سی آئی اے، موساد اور ایسے ہی جاسوس نیٹ ورکس کا انفرادی یا مشترکہ پراجیکٹ ہے۔

کچھ رپورٹوں کا کہنا ہے کہ خواک فاؤنڈیشن کے فنڈنگ کے تانے بانے امریکی علاقے Delawrse سے ملتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ سٹیٹ سیکرٹ یا کارپوریٹ سیکرٹ آپریشنز کے لیے یہ بہت جانا پہچانا علاقہ ہے۔ خوراک فاؤنڈیشن کی رجسٹریشن اولاً یہیں ہوئی تھی۔

اس کی دستاویزات جو اسرائیل میں جمع کرائی گئی تھیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکی حکومت کے کنٹریکٹرز (یاد رہے کہ سی آئی اے بھی کنٹریکٹرز کے ذریعے ہی زیادہ تر کام کرتی ہے) امریکی سرمایہ کار اور فرمز فنڈنگ میں شریک ہیں۔ یہ بھی بہت اہم ہے کہ خوراک فاؤنڈیشن نفع ونقصان کے بغیر کام کرنے والی فاؤنڈیشن نہیں ہے۔ یہ ایک نفع کمانے والی کمپنی ہے۔ یہ انکشاف بھی سامنے آیا ہے کہ امریکہ کا سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ مبینہ طور پر خوراک فاؤنڈیشن کو 50 کروڑ ڈالر فراہم کرے گا۔

ایس آر ایس کی اسرائیل میں رجسٹریشن اس سال 14 مئی کو کرائی گئی ہے۔ گویا غزہ میں خوراک فاؤنڈیشن کے ایکشن میں آنے سے محض دو ہفتے قبل ہی ایسا کیا گیا ہے۔ اسے اسرائیلی کارپوریشنز اتھارٹی کے پاس رجسٹر کرایا گیا ہے۔

رجسٹریشن کا عمل اسرائیلی لاء فرم Herzog Fox' اور Neeman کے علاوہ Christopher James Oates کے مشترکہ وکیل Nurit Dagan کے ذریعے مکمل کیا گیا ہے۔ یہ ایک امریکی ہے جس کے بارے میں مزید علم نہیں ہوسکا۔ Nurit Dagan کا ایک ہم نام بھی ہے۔ وہ Illinois میں کام کرنے والی فرم Lake Forest کا بھی بانی اور پارٹنر ہے اس کی شریک سرمایہ کار فرم N i o Advisors ہے۔ یہ پہلے McNally Capital کی شراکت دار رہی ہے۔

اس کے مزید کئی ایسوسی ایٹس، سرمایہ کار اور مشیران بھی موجود ہیں۔ ان کی تفصیلات میں جانے کی ابھی ضرورت نہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ یہ سارا نیٹ ورک امریکیوں پر مشتمل ہے۔

ایک اہم نام چارلس افریکانو کا ہے۔ یہ ورجینیا کا دفاعی کنٹریکٹر ہے۔ اسے پہلی بار شہرت ڈونلڈ ٹرمپ کے پہلے دور میں ملی تھی۔ تب ٹرمپ کے لیے فنڈنگ کا کام ایلیٹ بروڈی نے کیا تھا۔ بروڈی پر خارجہ سکینڈل میں ملوث ہونے پر مقدمہ چلا تھا اور اس کو ٹرمپ نے معاف کردیا تھا۔

غزہ خوراک فاؤنڈیشن کے کام شروع کرنے سے اب تک خوراک کے لیے اس کے مرکز جانے والے سینکڑوں فلسطینی مار جاچکے ہیں۔ ایک طرف اسرائیلی فوج خوراک کے لیے آنے والوں پر فائرنگ کرتی ہے تو دوسری طرف فاؤنڈیشن کہتی ہے کہ مارے جانے والے کہیں اور مارے گئے ہیں۔ ہمارے مرکز کے قریب نہیں مارے گئے۔ فاؤنڈیشن دعویٰ کرتی ہے کہ اس کا تقسیم کا عمل محفوظ ہے اور اسے اس طرح کے ٹریجڈی سے بچنے کے لیے ہی تیار کیا گیا ہے۔

ادھر ایک اور امریکی تنظیم سنٹر فار کانسٹی ٹیوشن رائٹس نے خوراک فاؤنڈیشن کو خبردار کیا ہے کہ اس کے خلاف جنگی جرائم میں حصہ لینے، انسانیت کے خلاف جرائم اور نسل کشی کے سنگین الزامات کے تحت مقدمات چلائے جاسکتے ہیں۔

یورومیڈ ہیومن رائٹس مانیٹرز نے دعویٰ کیا ہے کہ غزہ خوراک فاؤنڈیشن فلسطینی آبادی کو بھوک و پیاس سے مارنے کے منصوبوں پر وسطی اور جنوبی غزہ میں اپنے مراکز سے کام کر رہی ہے۔ اس کی رپورٹ کے مطابق:

”خوراک فاؤنڈیشن ایسی سرگرمیوں میں ملوث ہے جن سے وہ مخصوص مقامات پر اسرائیلی فوج کے تعاون سے فلسطینیوں کو اکٹھا کرتی ہے۔ وہاں ان کو قتل اور زخمی کیا جاتا ہے۔ ان سے ظالمانہ اور ذلت پر مبنی سلوک کیا جاتا ہے۔“

رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے:

”یہ مقامات موثر طور پر موت کے پھندے بن چکے ہیں۔ ان مقامات کو اسرائیلی فوج فلسطینیوں کی منظم نسل کشی کے لیے استعمال کرتی ہے۔“

یورومیڈ کی رپورٹ کے مطابق سینکڑوں فلسطینی اب تک مارے جاچکے ہیں۔“

اس ادارے نے فاؤنڈیشن کو سرمایہ فراہم کرنے والوں سے کہا ہے کہ وہ فوری طور پر اس کو سرمایہ فراہم کرنا بند کردیں۔ اس فاؤنڈیشن کو بلیک لسٹ کیا جائے۔ اس کے خلاف انسانیت کے خلاف اور جنگی جرائم کے الزامات کے تحت مقدمات درج کیے جائیں۔ اس کے اور اس کے حکام کے خلاف فوری تحقیقات شروع کی جائیں۔

یورومیڈ نے قرار دیا ہے کہ فلسطینی عوام کو بھوکا پیاسا مارنے کا جرم بہت منظم طریقے سے

اسرائیلی فوج کے ساتھ مل کر کیا جا رہا ہے۔ اس تنظیم نے کہا ہے کہ بھوکے فلسطینیوں کو روزانہ اس کے مراکز پر لایا جاتا ہے، زبردستی بھی کی جاتی ہے۔ شہریوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ کئی کلومیٹر پیدل چل کر باڑھ لگی راہداری سے گزریں، وہ اس طرح سے کئی کلومیٹر چلنے پر مجبور کیے جاتے ہیں جس سے وہ دور تک ساتھ ساتھ موجود فوج کے نرغے میں آجاتے ہیں۔ پھر ان پر گاڑیوں، ڈرونز، ہیلی کاپٹرز سے فائر کیے جاتے ہیں۔ ان پر توپ خانہ گولہ باری کرتا ہے۔ بڑی تعداد ماری جاتی ہے اور پھر کہا جاتا ہے، اتنے اور اتنے مر گئے، اتنے زخمی ہو گئے جب کہ مرنے والے بڑی تعداد میں ہوتے ہیں۔

یہ سارا پراسس بہت خطرناک ہے۔ خوراک کی تقسیم کے فاؤنڈیشن مرکز تک کسی فلسطینی کو یہ پیشگی علم نہیں ہوتا تھا کہ موت آگے انتظار کر رہی ہے۔ بعد میں بھی بھوک کی شدت موت کے خطرے کو گلے لگانے پر آمادہ کرتی ہے۔ یہ امید رہتی ہے کہ میں کسی ایسی وجہ یا صورت حال کا حصہ نہیں بنوں گا جو زندگی کی دشمن ہو۔ لیکن ہر دن نئی صورت حال ان کا مقدر بنتی ہے۔

اس عمل میں صرف وہی زندہ رہ پاتا ہے جو موت کے پھندے سے باہر رہ جائے۔ زندہ رہنے یا خوراک پانے والے کو بھی یہ بات علم میں آتی ہے کہ بہت کم مقدار میں خوراک ملی ہے۔ اس کے لیے موت کو گلے لگانا بے وقوفی ہے، حماقت ہے۔

یہ عمل ایک منظم اور طے شدہ پالیسی کے تحت ہو رہا ہے۔ اس کا بڑا مقصد شہادت یعنی گواہی چھپانا ہے۔ دوسرے، خوراک لینے کے لیے آنے والوں کو مارنا ہے اور کسی تمیز کے بغیر مارنا ہے۔ اس کی مثال میڈیا نے رفیق جندیہ کی دی ہے۔ وہ دو دن سے گیا ہوا تھا تاکہ اپنے اہل خانہ کے لیے خوراک جمع کر کے لا سکے یا خوراک فاؤنڈیشن کے مرکز سے کچھ لا سکے۔ اس کی بیوی اور پانچ بچے اس کے انتظار میں تھے۔

اس تک پہنچنے کی درجن سے زیادہ کوششوں کے بعد بھی پتہ نہ چل سکا۔ اس کا خاندان فلسطین سٹیڈیم میں خیمہ بستی کے اندر تھا۔ پھر اس کے خاندان کو یہ اندوہناک خبر ملی کہ وہ مارا گیا ہے۔

اس کی تلاش میں اس کے عزیز و اقارب اپنی پناہ گاہ سے نکلے۔ انہوں نے طے کیا کہ رات اس مقام کے قریب کسی جگہ بسر کریں گے جہاں فاؤنڈیشن نے مرکز بنایا ہوا تھا۔ صبح ہوتے ہی وہ مرکز سے مزید قریب ہو جائیں گے۔ اگلے دن وہ گلیاں عبور کرتے رہے۔ مقصد یہ تھا کہ ان کے موبائل فون میں اس کی تصویر موجود تھی، وہ دکھاتے جائیں گے۔

پھر انہیں ایک بدو ملا۔ اس نے بتایا کہ اس نے غزہ وادی کے پل کے نیچے پانچ لاشیں دیکھی ہیں۔ وہاں تک کا راستہ نہایت خطرناک تھا۔ انہوں نے اسے کہا کہ اسے کچھ رقم دیں گے، وہ اس طرح کے 32 سالہ نوجوان کو تلاش کر کے لے آئے۔

وہ بدو راضی ہو گیا۔ اسے تلاش کرتے ہوئے علم ہوا کہ اس کی لاش موجود تھی۔ اس نے کسی سنائپر کی گولی سے یا کواڈ کاپٹر کی ممکنہ فائرنگ سے بچنے کے لیے کپڑے اتار دیے تھے۔ اس کی لاش دیکھنے پر معلوم ہوا کہ گولی اس کے چہرے کے بائیں حصے کو اڑا لے گئی تھی۔ تب اس کے خاندان کو یقین آیا کہ وہ مارا گیا ہے۔ اس دن 66 افراد مارے گئے تھے۔

یہ وہ سارا معاملہ ہے جس کا مکمل علم حکومتوں کو ہے۔ ہر مسلم ملک کو علم ہے کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ اس کے باوجود نسل کشی کے اس عمل کو جاری رکھا گیا ہے۔

صورت حال: لمیس تغرید

عیدالاضحیٰ کے موقع پر حماس کے غزہ میں سربراہ اور مذاکراتی وفد کے قائد، مجاہد ڈاکٹر خلیل الحیة کا اہم خطاب

حماس مستقل اور مستحکم جنگ بندی چاہتی ہے

حماس ایک نئے اور سنجیدہ مذاکراتی مرحلے میں شامل ہونے کے لیے تیار ہے تا کہ ایک مستقل جنگ بندی کے معاہدے تک پہنچا جا سکے، خاص طور پر اس تناظر میں ثالثوں اور دیگر فریقوں کے ساتھ رابطے تا حال جاری ہیں تا کہ اس مقصد کو حاصل کیا جا سکے۔

تحریک حماس نے ''ویٹکوف'' کی حالیہ تجویز کو مسترد نہیں کیا، بلکہ اس میں بعض اہم نکات اور اصلاحات شامل کی ہیں تا کہ اس جنگ کا خاتمہ یقینی بنایا جا سکے، دشمن کی جانب سے دوبارہ دھوکہ، قتل و غارت، جارحیت اور جبری نقل مکانی کو روکا جا سکے، اور ہمارے عوام کے لیے امداد ور یلیف کی باعزت فراہمی کو یقینی بنایا جا سکے۔

حماس فوری طور پر غزہ میں حکومت کسی بھی ایسی قومی اور پیشہ ور فلسطینی اتھارٹی کے حوالے کرنے کے لیے تیار ہے جس پر اتفاق ہو جائے۔

ہم مسلسل اور کثیر الجہتی مذاکرات کے مراحل سے گزر رہے ہیں اور تمام فریقوں کے ساتھ بھرپور کوشش کر رہے ہیں تا کہ ایک ایسے معاہدے تک پہنچا جا سکے جو ہمارے اصولی مؤقف، عوام کے بنیادی حقوق اور مطالبات پر مبنی ہو، اور جو اس جنگ کا خاتمہ، مستقل فائر بندی، قابض اسرائیلی افواج کا مکمل انخلاء، فوری ریلیف، محاصرے کا خاتمہ اور ایک باعزت طور پر قیدیوں کے تبادلے کا معاہدہ یقینی بنائے۔

اصل رکاوٹ صہیونی حکومت ہے، خاص طور پر نیتن یاہو ہے جو ذاتی اور نظریاتی وجوہات کی بنیاد پر جنگ کو روکنا یا ختم کرنا نہیں چاہتا۔

ہم نے مارچ میں جارحیت کے دوبارہ آغاز کے بعد سے پیش کیے جانے والی تمام تجاویز اور منصوبوں کے ساتھ مثبت اور لچکدار رویہ اختیار کیا اور ان میں سے بیشتر کو قبول کیا۔ ہم نے مارچ کے آخر میں ثالثوں کی جانب سے پیش کیے گئے اُس منصوبے پر رضامندی ظاہر کی جس میں پانچ قیدیوں کی رہائی اور 17 جنوری کے معاہدے کے دوسرے مرحلے میں داخلے کی بات تھی، لیکن دشمن نے اسے مسترد کر دیا۔ اس کے بعد ہم نے اپنی جانب سے ایک جامع معاہدے کی تجویز پیش کی، جس کا مقصد تمام قیدیوں کی رہائی کے بدلے جنگ کا مکمل خاتمہ تھا، لیکن دشمن نے یہ تجویز بھی رد کر دی۔

ہم نے اپنی طرف سے نرمی اور ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے قابض فوجی ''عیدان

الیگزینڈر“ کو رہا کیا۔ دو ہفتے قبل ایک امریکی تجویز ہمیں موصول ہوئی، جسے ہم نے قبول کیا، لیکن قابض ریاست نے اسے بھی مسترد کر دیا اور بعد ازاں امریکی ثالث اپنی تجویز سے ہی پیچھے ہٹ گیا۔

گزشتہ ہفتے ”وِیٹکوف“ کی جانب سے ایک نئی تجویز سامنے آئی، جس میں سات دنوں کے اندر 10 زندہ قیدیوں اور 18 شہداء کی میّتوں کی رہائی کی بات کی گئی، مگر اس میں آٹھویں دن دوبارہ جارحیت سے باز رہنے کی کوئی حقیقی ضمانت نہیں تھی، خاص طور پر جب خود ”نیتن یاہو“ اعلان کر رہا ہے کہ وہ قیدیوں کی رہائی کے بعد دوبارہ حملے کرے گا۔

دشمن اس بات پر مصر ہے کہ تمام انسانی امداد اس کی مکمل نگرانی میں ہو، اُس مخصوص طریقہ کار کے مطابق جو اُس نے امداد کو عسکری کنٹرول میں لانے کے لیے بنایا ہے، جسے تمام بین الاقوامی ادارے مسترد کر چکے ہیں کیونکہ یہ بین الاقوامی قانون کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ، دشمن 2 مارچ سے پہلے والی صورتِ حال کی بحالی اور اپنے انخلاء کو بھی مسترد کرتا ہے۔

ہم اُن تمام قوتوں، جماعتوں اور شخصیات کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں جنہوں نے ہمارے عوام سے اظہارِ یکجہتی کیا، خصوصاً وہ عظیم ریلیاں جو مختلف دارالحکومتوں اور شہروں میں منعقد ہوئیں اور وہ لوگ جو خشکی اور سمندر کے راستے محاصرہ توڑنے کے لیے اپنی جان خطرے میں ڈال رہے ہیں۔ مگر ہم اس بات پر حیرت اور افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ ریاستیں اور سرکاری ادارے صرف بیانات اور رسمی مذمتوں تک محدود ہیں، جنہیں اب نہ تو کافی سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ہی قابض ریاست ان پر کان دھرتی ہے۔

جو مظالم قابض ریاست انجام دے رہی ہے، یہاں تک کہ اُن کے خلاف بھی جو محض اپنی بھوک مٹانے کی کوشش کر رہے ہیں، جیسا کہ حالیہ دنوں میں رفح میں دیکھا گیا، یہ سب ممکن نہ ہوتا اگر اسے مسلسل اسلحہ فراہم نہ کیا جا رہا ہوتا اور بین الاقوامی اداروں میں سیاسی پشت پناہی حاصل نہ ہوتی۔ اس کا تازہ ترین مظاہرہ اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل میں دیکھنے کو ملا، جہاں امریکہ نے انسانی محاصرہ ختم کرنے اور فوری امداد کی فراہمی کی قرارداد کو ویٹو کر دیا۔

ہنستا مسکراتا ہوا روح پرواز

وُجوهٌ يَومَئِذٍ مُسفِرَةٌ، ضاحِكَةٌ مُستَبشِرَةٌ (اس دن بہت سے چہرے روشن ہوں گے، ہنستے ہوئے، خوشیاں مناتے ہوئے)

الحاج فرید ابو موسیٰ (ابو صخر)

ہنستے مسکراتے اپنے رب کے پاس پہنچ گئے۔ اسرائیلی بمباری میں شدید زخمی ہو کر زیرِ علاج تھے۔ آخری وقت اللہ کی تیار کردہ نعمتوں کو دیکھ کر ہنستے رہے۔

اسی دوران روح پرواز کر گئی۔ پورا خان یونس سوگوار۔ ساتھ ایسی شہادت پہ رشک۔

وہ خان یونس شہر میں ایک کنویں کے مالک تھے جس سے وہ لوگوں کو پانی پلایا کرتے تھے۔ انہوں نے کبھی تھکن یا کوتاہی نہیں دکھائی، اور ایک لمحے کے لیے بھی لوگوں اور بے گھر افراد کی خدمت سے باز نہ آئے۔ جب سے کنویں نے کام شروع کیا تب سے لے کر آج اپنی شہادت تک وہ مسلسل لوگوں کو پانی فراہم کرتے رہے۔

وہ واقعی ایک نیک، با اخلاق، دوسروں سے محبت کرنے والے اور سخی انسان تھے۔

اے مسکراتے شہید تو نے آخر ایسا کیا دیکھا کہ زخموں سے چور وجود کے چہرے پہ دل آویز مسکراہٹ بکھر گئی؟

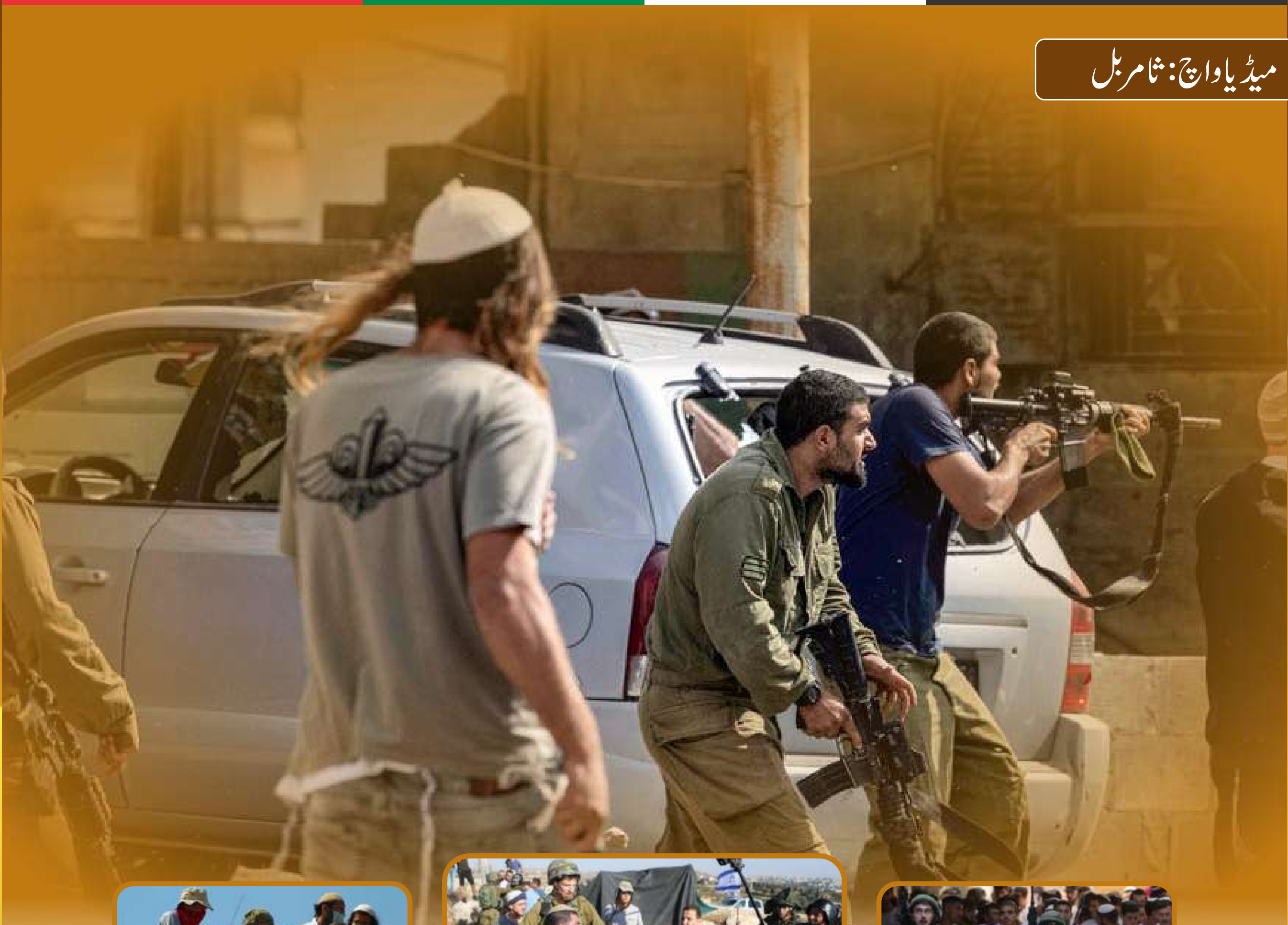

مغربی کنارہ: صہیونی فوج گاؤں گاؤں حملے کر رہی ہے

یہودی آباد کار گھر گھر حملہ آور ہیں، فصلوں کو آگ لگا رہے ہیں۔ فلسطینیوں کو قتل کر رہے ہیں، کہیں امان نہیں

مغربی کنارے میں فلسطینیوں کا قتل عام کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں رہا۔ عام طور پر روزانہ کسی نہ کسی شہر، قصبے یا گاؤں میں ایک نکبہ ضرور رونما ہو رہا ہے۔ اس کا کوئی نوٹس نہیں لیتا۔ عرب دنیا کے لیے، خواہ کوئی بھی ملک ہو، یہ کوئی اہم بات ہی نہیں ہے۔ مغربی دنیا اور امریکہ یہاں کے صہیونیوں کو باقاعدہ علانیہ ڈالرز اور پاؤنڈز دیئے ہیں۔ فلسطینیوں کی امداد کے لیے فلسطینی اتھارٹی کو دنیا بھر سے جو کچھ بھی ملتا ہے اور بہت ملتا ہے، وہ محمود عباس کے ذریعہ اسرائیل جاتا ہے، فلسطینی سلامتی سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔

24 جون کو مقبوضہ بیت المقدس (یروشلم، اسرائیلی نام) میں ایک بوڑھی فلسطینی خاتون کو سر میں گولی ماردی گئی۔ وہ خاتون اس سے جانبر نہ ہو سکی۔ اسرائیلی فوج نے دو نوجوانوں کو بھی فائرنگ کر کے شہید کر دیا۔

قتل کا یہ واقعہ مسافر پتہ میں اس وقت پیش آیا جب اسرائیلی فوج نے فائر کھول دیا۔ اس سے پہلے صہیونی آباد کاروں یعنی نوآبادیات کاروں نے فلسطینی گھروں پر حملہ کر دیا۔ کم از کم ایک گھر کو آگ لگا دی گئی۔

بیت المقدس گورنریٹ کا کہنا ہے کہ 66 سالہ زاہیہ جودہیہ العبید ی زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے دم توڑ گئیں۔ شفاعت پناہ گزین کیمپ میں اسرائیل کی قابض فوج نے حملہ کر دیا۔ یہ شمالی بیت المقدس کا حصہ ہے۔ سرکاری خبر رساں ایجنسی WAFA کی بھی یہی رپورٹ ہے۔ قدس نیوز نیٹ ورک (QNN) کی رپورٹ میں کہا گیا کہ یہ خاتون اپنے گھر کے اندر موجود تھیں۔ وہاں علاقے میں موجود اسرائیلی فوج نے اچانک زبردست فائرنگ شروع کر دی۔ اس فائرنگ کا نشانہ مقامی فلسطینی آبادی تھی۔ ایک گولی العبیدی کے گھر کے اندر خاتون کے سر میں آن لگی۔

انہی حصوں میں اسرائیلی فوج نے ایک رہائشی عمارت کو گرا دیا۔ یہ واقعہ راس خیمس کے علاقے میں پیش آیا۔ کہا گیا کہ اس عمارت کے رہائشیوں کے پاس کوئی پرمٹ نہیں تھا۔

الیامون میں جنین کے مغرب میں قابض فوج کی بے دریغ فائرنگ سے ریان تھامر حاؤشیہ گولی لگنے سے شہید ہو گئے۔ ان کی عمر 15 سال تھی۔ اسرائیلی فوج نے ایک نوجوان کو قتل کر دیا۔ ان تمام واقعات میں قتل کیے جانے کی وجوہات سامنے نہ آ سکیں۔

اسرائیلی فوج نے جون کے ہی آخری بدھ کو طوباس کے شمال میں Tamoun نامی قصبے میں ہلہ بول دیا۔WAFA خبر رساں ایجنسی کا کہنا ہے کہ اسرائیلی فوج کے سپیشل یونٹ کے ارکان اس قصبے میں گھس آئے، ان کے ساتھ ہی مزید دستے بھی پہنچ گئے۔ان کی مدد کے لیے نچلی پرواز کرنے والے جاسوس طیارے بھی پرواز کرتے رہے۔

ان سپیشل یونٹس نے 17 سال کے ایک نوجوان کو گھنٹوں یرغمال رکھا۔اس کے بعد رہا کر دیا۔فلسطینی گھروں پر حملے کیے گئے۔ان میں علاقے کے قیدیوں کے لیے کام کرنے والی سوسائٹی کے ڈائریکٹر کمال بنی اودے کے ساتھ 17 شہریوں کو گھنٹوں نظر بند رکھا۔

شمالی اردن کی وادی کے طوباس کے گورنر احمد الاسد نے ان کارروائیوں کی مذمت کی۔

انہوں نے تامون علاقے میں فوج کی جارحیت کی بھی مذمت کی۔

اس کے باوجود اسرائیلی حملے جاری رہے۔جنوبی جنین کے علاقے میں شدید تشدد کیا گیا۔کئی ایک نوجوانوں سے تفتیش کے نام پر ناروا سلوک کیا گیا۔گھروں کے اندر سامان اور فرنیچر توڑ دیے گئے۔کئی نوجوانوں کی نظر بندی کے حکم جاری کیے گئے۔ان سے تفتیش کی گئی پھر ان میں سے کچھ گرفتار کر لیے گئے۔

فوج نے جنین سٹی کی کمرشل مارکیٹ پر بھی حملہ کیا۔کاروباری شخصیات اور دکانداروں میں خوف و ہراس کی کیفیت پیدا کی۔اس دوران میں آنسو گیس کے شیل بھی فائر کیے گئے۔آنسو گیس گرنیڈ مسجد کے علاقے میں استعمال کی گئی۔اس دوران میں فوجی گاڑیاں پورے علاقے میں گھومتی رہیں۔سٹی کے صنعتی زون میں مار پیٹ کی گئی۔الناصرہ سٹریٹ میں العداس خاندان کے گھر پر بھی حملہ کیا گیا۔

فوج کے ایک یونٹ نے نابلس کے علاقے اللبین الشرقیہ کے رہائشیوں کو ریڈ کے دوران میں ہراساں کیا۔مقامی ذرائع کے مطابق ایک مقامی شہری سے اس کی گاڑی کی چابیاں چھین لی گئیں، گاؤں میں قائم اس کے دفتر کو بند کرنے کا حکم دیا گیا۔

طولکرم میں بھی فوج دن بھر کارروائیاں کرتی رہی۔گزشتہ 15 دنوں میں اس علاقے میں 50 سے زیادہ گھروں کو مسمار کر دیا گیا۔طولکرم کے شمال میں گاؤں زائیطہ میں گزشتہ 10 دنوں میں 10 مرتبہ ریڈ کی گئی۔ان واقعات میں درجنوں گھروں میں گھس کر آبادی کو ہراساں کیا گیا۔کئی فلسطینی نوجوانوں کو گرفتار کر لیا گیا۔

وسطی یا مرکزی رام اللہ کے شمال مغرب کے قصبے ام صفا میں وسیع زرعی زمین پر بلڈوزر چلا دیے گئے۔یہودی بستی کی آؤٹ پوسٹ کی تعمیر کے لیے علاقے میں زراعت کو روک دیا گیا۔فوج نے دیرالقراء میں زرعی جائیداد کو مسمار کر دیا۔

ان فوجی کارروائیوں کے ساتھ آبادکاروں کے حملے بھی جاری رہے۔مسافر پتہ کے علاقے سوسیہ میں آبادکاروں نے الخلیل شہر کے جنوب میں حملہ کر دیا۔ایک گھر کو نذر آتش کر دیا۔

آبادکار کارروائیوں کے خلاف مزاحمت کرنے والے اسامہ مخامرے نے صحافیوں کو بتایا کہ متعدد مسلح آبادکار اسرائیل کی قابض فوج کی نگرانی اور سرپرستی میں ناصر شرمیتہ کے گھر کا سامان لوٹ کر لے گئے۔آبادکاروں نے رہائش گاہ کو آگ لگا دی۔اس علاقے پر آبادکار یہودی بار بار حملے کرتے ہیں۔

ان سرگرمیوں اور کارروائیوں کو رپورٹ کرنے کا مقصد یہی ہے کہ فلسطینی جہاں بھی آباد ہیں، ان پر حملے مسلسل جاری ہیں۔ان حملوں میں فلسطینی ہی نشانے پر ہوتے ہیں۔ان سے زمین خالی کرانے کے لیے ان کے گھروں اور فصلوں کو آگ لگا دی جاتی ہے۔

ان مظالم کی رپورٹ بہت کم عالمی میڈیا میں آئی ہے۔ایسی رپورٹوں کے لیے غالباً انتظار کیا جاتا ہے کہ بڑا حادثہ ہو۔ان تمام کارروائیوں سے فلسطینی آبادی کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ کہیں اور منتقل ہو جائے لیکن فلسطینی اپنی زمین چھوڑنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہیں۔

امید بہار: اقراء فہد

فلوٹیلا سے میڈلین تک

غزہ۔ 7 اکتوبر 2023ء کو مزاحمت کا آغاز کیوں ہوا؟

اس سوال کا مفصل جواب بار ہا دیا جا چکا ہے۔ غزہ گزشتہ اٹھارہ برسوں سے بھی زیادہ مدت سے صہیونی قابض افواج کے محاصرے اور ناکہ بندی میں ہے۔ اس محاصرے اور ناکہ بندی کو مؤثر بنانے کے لیے مصر کی حکومتوں نے ڈاکٹر محمد مرسی کے مختصر دورانیے کے علاوہ سب نے پورا ساتھ دیا ہے۔ رفاہ کراسنگ پر مصری فوج تعینات رہی ہے۔

اس ناکہ بندی میں خوراک اور ضروری ادویات کو صہیونی فوج لانے کی اجازت دیتی تھی۔ اسے بھی گاہے بہ گاہے روک دیا جاتا ہے۔ 2025ء کے سال میں یہ محاصرہ اور ناکہ بندی بھی شدید ہوتے گئے اور فلسطینیوں کا قتل عام بھی معمول ٹھہرا۔

اس صورت حال نے حکومتوں کو اس ضرورت سے روکے رکھا کہ غزہ کے اندر خوراک اور ادویات کی کیفیت قابل رحم ہی رہی ہے۔ یہ بات عام طور پر کہی جاتی ہے کہ یورپ کے لوگ بہت اصول پرست ہیں۔ سچ بولتے اور دیانت کے اصولوں کا خیال رکھتے ہیں۔ سادہ لوح مسلمانوں کو شاید یہ علم نہیں ہے کہ ان کا یہ عمل اس وقت تک درست کہا جا سکتا ہے جب تک وہ اپنی نسل، علاقے، ذات کے افراد سے معاملہ کرتے ہیں۔ وہ اس سے ہٹ کر جائز و ناجائز اور حلال و حرام کے فرق خاطر میں نہیں لاتے۔

غزہ کی ناکہ بندی سے بہ ظاہر یورپ کا کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔ امریکہ اسرائیل بہر حال الگ معاملہ ہے۔ غزہ کی ناکہ بندی انسانی معاملہ ہی نہیں، المیہ رہا ہے۔ انسانی حقوق کی تنظیمیں ایمنسٹی انٹرنیشنل، ایشیا واچ اور دیگر سب بھاری بھرکم رپورٹیں تیار کرتی رہی ہیں۔ ان رپورٹوں سے یہ حقیقت تو سامنے آتی رہی ہے کہ غزہ کے اندر کے فلسطینی کس اذیت، کرب اور تکلیف سے گزر رہے ہیں۔

سمیعہ غنوشی نے حکومتوں کی بے حسی اور غزہ کے فلسطینیوں کی لاچاری پر ایک رپورٹ میں یہ سوالات اٹھائے کہ اسرائیل کی قابض صہیونی فوج نے اس مختصر سے شہر کو دنیا سے کیوں جدا کر رکھا ہے؟ اگر سمندر کے ساتھ ساتھ ہر ساحل اور بندرگاہ سے دنیا کے لوگ اٹھیں، ہزاروں کی تعداد میں ماہی گیر نکلیں، چھوٹے بڑے جہاز راں اپنے بحری جہازوں کا رخ غزہ کے ساحل کی طرح کرلیں تو کیا تب بھی ان کے ذریعے غزہ میں بھوک، پیاس اور بیماری سے لڑتے انسانوں تک امداد لے جائی نہیں جا سکتی۔

اس سال ایک اور کوشش ہوئی۔ ایک جہازی کشتی میں لوگ نکلے۔ اس کا نام میڈلین تھا۔ اخبارات میں اس کو کافی جگہ ملی۔ خیال کیا جا رہا تھا کہ یہ میڈلین ضرور غزہ پہنچ جائے گی۔ لیکن کیا ہوا؟

میڈلین کو جلد ہی غزہ کے سمندر سے دور، آزاد پانیوں میں، صہیونی قابض فوج کی سپیڈ بوٹس نے گھیرے میں لے لیا۔ اب سمندر میں ہی ایک نیا غزہ آباد کر دیا گیا تھا۔ اوپر ڈرون اڑ رہے تھے۔ میڈلین کے لوگ اس کے عرشے پر موجود تھے۔ ان پر اچانک سفید رنگ کا مادہ چھڑکا گیا۔ پھر کھلے اور آزاد پانیوں میں میڈلین پر صہیونی قابض فوج حملہ آور ہو گئی۔

کشتی پر بارہ افراد سوار تھے۔ وہ سویڈن سے برازیل تک کے ممالک سے آئے تھے۔ ان سب کو گرفتار کر لیا گیا۔ اگر درست بات کی جائے تو ان کو اغوا کر کے یرغمال بنا لیا گیا۔ انہیں بلا وجہ یرغمال بنایا گیا۔ ان کی کشتی امدادی سامان لا رہی تھی۔ مختصر مقدار میں خوراک تھی اور ادویات تھیں۔ یہ غزہ کے لوگوں سے یکجہتی کا اظہار کرنے اور ناکہ بندی توڑنے جا رہے تھے۔ ان کے قبضے سے تلاشی کے باوجود ایک پستول بھی برآمد نہ کیا

جا سکا۔ گویا وہ سب نہتے تھے۔

میڈلین کا مقصد تو بہت گہرا اور واضح تھا۔ غنوشی نے رپورٹ میں لکھا ہے کہ مقصد یہ تھا کہ غزہ کے اندر خوراک پہنچائی جائے، کچھ ضروری ادویات دی جاسکیں۔ سب سے بڑھ کر اہل غزہ کو دنیا کی طرف سے یکجہتی کا پیغام دیتے ہوئے کہا جائے کہ آپ اکیلے اور تنہا نہیں، دنیا آپ کے ساتھ ہے۔ لیکن وہاں تو طاقت کی زبان میں بات کی جارہی تھی، اخلاقیات کو خاموش رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ یہ حقیقت سامنے آرہی تھی کہ غزہ کے سمندر کا پانی بھی آزاد نہیں ہے۔

میڈلین ایک پیغام تھا۔ یہ پیغام سمندری پانی کی لہروں پر لکھا تھا۔ اس کا نام ایک فلسطینی لڑکی کے نام پر رکھا گیا تھا۔ جب وہ صرف 13 سال کی تھی تو ناکہ بندی اور خوف کے ماحول میں یہاں ماہی گیری کرتی تھی۔ وہ بعد میں بزنس ویمن بن گئی۔ وہ اوروں کو ملازمت پر رکھتی، وہ جامنی رنگ کی کینوپی کشتی پر سجائے ان کو سمندر کی سیاحت پر لے جاتی۔ وہ ایسے ماحول میں امید جگائے ہوئے تھی جس میں سانس بھی صہیونی قابض فوج کی اجازت کے بناء دشوار تھا۔ وہ کہا کرتی تھی:

''میں بہادر ہوں اور اچھے جذبات رکھتی ہوں۔''

میڈلین ایسی تاریخ تھی جس کے صفحات خون سے لکھے ہوئے تھے۔ یہ 2010ء کی بات ہے۔ تب بھی میڈلین کی طرح ایک فریڈم فلوٹیلا چلا تھا۔ جب وہ غزہ کے پانیوں میں پہنچا تو خوراک اور ادویات لانے والے اس فلوٹیلا پر صہیونی قابض فوج نے حملہ کر دیا۔ اس فلوٹیلا کا نام ماوی مارمرا (Mavi Marmra) تھا۔ اس پر سوار نو سیاحوں کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد بھی متعدد فلوٹیلا آئے، حملہ ہوا، گرفتار کیے گئے، مار دیے گئے۔ اس کے باوجود شکست زدہ نہیں ہوئے۔ آتے رہے اور یرغمال بنائے جاتے رہے۔

نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ ان سب کے بھی انسانی حقوق تھے۔ وہ یہی پیغام لے کر آتے رہے کہ فلسطین اب محض ایک خطے تک محدود نہیں ہے۔ یہ پوری دنیا کا ضمیر ہے۔ اس کا شعور ہے۔ یہ بات آنے والوں کی حد تک تو درست لیکن دنیا بھر کے حکمرانوں بہ شمول یورپ و امریکہ اور مسلم دنیا کے لیے حرف غلط تھی۔ کسی نے کبھی نوٹس نہیں کیا کہ کس ملک کے کتنے لوگ قابض صہیونی فوج نے یرغمال بنالیے، کتنے مار دیے گئے یا کتنے زخمی ہوئے۔

میڈلین کے مسافروں میں اس سفر کی محرک گریٹا تھن برگ تھیں۔ وہ مغرب کی ایک معروف سماجی کارکن ہیں۔ اب وہ خاموش نہ رہ سکیں۔ وہ غزہ کی آواز بن کے سمندری سفر پر نکلیں۔ انہوں نے میڈلین کے عرشے سے پکار کر پیغام دیا: ''جب ہماری اسرائیل کی سہولت کار حکومتیں کوئی قدم نہیں اٹھاسکتیں، پھر یہ ہماری ذمہ داری بنتی ہے۔''

گریٹا تھن برگ کو ان سہولت کار ملکوں کی حکومتوں کے لیے خطرے کی گھنٹی قرار دیا گیا۔ یہ کہا گیا کہ گریٹا کا تعلق اشرافیہ کے اس طبقے سے ہے جو نیند سے بیدار ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ میں نئے سفر پر نکلا ہوں۔ میڈلین پر اپنا غصہ اتارتے ہوئے امریکی سینیٹر لنڈ سے گراہم نے غلیظ زبان استعمال کی اور یہاں تک کہا کہ ''میڈلین کے سواروں کو تیرنا تو آتا ہوگا۔''

گریٹا نے بڑے سکون سے جواب دیا تھا:

''خاطر جمع رکھیں، ہم بہت اچھے سے تیرنا جانتے ہیں۔''

اسرائیل کے وزیر دفاع اسرائیل کاتز نے گریٹا کو یہود مخالف antisemitic کہا۔ صہیونی جب بہت زیادہ کسی سے زچ اور پریشان ہوتے ہیں تو اسے Anti-Semitic کہہ دیتے ہیں۔ گریٹا کو کاتز نے حماس کی کارکن قرار دیا اور کہا کہ یہ حماس کے کسی منصوبے کے لیے پروپیگنڈہ کر رہی ہیں۔'' قابض اسرائیلیوں کو یہ مسئلہ ہی نہیں ہے کہ غزہ اور مغربی کنارے سمیت تمام مقبوضہ علاقوں میں انہوں نے نے کتنی بڑے تعداد میں فلسطینی بچے، بوڑھے، جوان او خواتین کو شہید کر دیا، انہیں یہ بھی پرواہ نہیں کہ انہیں بھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا چاہیے، اس لیے کہ ہر صہیونی نسلی لبرل ہوتا ہے۔ یہ سب گریٹا کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ کرتے رہے ہیں۔ بعض اوقات یوں لگتا ہے کہ یہ ذہنی مریض بن چکے ہیں۔

کیور میٹے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ نام نہاد ہولوکاسٹ (Holocaust) میں بچ رہنے والوں میں سے ہیں۔ وہ دنیا میں ٹراما ایکسپرٹ کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ غنوشی نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ انہوں نے پولینڈ سے فلوٹیلا کے لیے پیغام ریکارڈ کرایا۔ اس میں انہوں نے کہا کہ آج آپ جنگجوؤں کے درمیان رہ رہے ہیں۔ اس وقت آپ ایک چھوٹے سے گروہ کو دیکھ رہے ہیں جو اس وقت کے سب سے زیادہ قاتل لے کر انسانوں میں نکلا ہے۔ یہ سب قاتل ملیشیا ہیں۔ ان کو دنیا کی ہر بڑی قوت کی طرف سے سپورٹ حاصل ہے۔ انہوں نے پیغام میں کہا:

''آپ اس وقت پوری انسانیت کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ آپ ہر اس انسان کے ساتھ ہیں جو کھلے دل سے انصاف پر یقین رکھتا ہے، آزادیوں کے لیے سرگرم عمل ہے۔ آپ کو میری پورٹ اور مکمل غیر مشروط حمایت حاصل ہے۔''

میڈلین کشتی کا سفر تنجیر یا لٹاکیہ یا اسکندریہ سے نہیں شروع ہوئی تھی۔ اس کے سفر کا سلسلہ اٹلی سے شروع ہوا۔ سمندر کے اس پار مصر تھا۔ تعطیلات منانے آئے لوگ میڈلین کے ساتھ وڈیوز شوٹ کرتے اور تصویریں بناتے رہے۔ ان میں سے کوئی بھی کشتی میں سوار نہیں ہوا۔ سویڈن کے نوجوان کو یوں لگا کہ غزہ بہت قریب ہے شاید اس سے بھی قریب جتنا ایک ہمسایہ ہوتا ہے۔ مصر نے رفاہ سرحد بند کر دی تھی۔ وہاں فوجی مقرر تھے جو پہرہ دے رہے تھے۔ چند میٹر کے فاصلے پر بھوک اور پیاس سے تڑپتے فلسطینی نگاہ حسرت سے ہمیں دیکھ رہے تھے۔ فلسطین اب حکومتوں کے لیے کوئی مسئلہ نہیں رہ گیا تھا۔ غاصبوں کی ہر حکومت نے انہیں ترک کر دیا تھا۔

میڈلین کوئی معجزہ نہ تھی۔ وہ ایک ماڈل تھی۔ یہ ایک سرگوشی تھی جو موت کے سناٹے میں گونج بن چکی ہے۔ اب یہاں انسانیت میں جرأت نہیں رہی کہ وہ بات بھی کر سکے۔ کیا میڈلین تنہا کشتی تھی۔ کیا ہو جائے گا اگر ہزاروں میڈلین بن جائیں اور غزہ کی جانب سفر کا آغاز کر دیں؟ کیا ہوگا کہ جہاز راں سے مچھیرے اور طالب علم سے والدین، غرض یہ کہ ہر چھوٹا بڑا غزہ کا رخ کر لے؟ یا وہ ہماری میڈلین کا ہی حصہ بن جائے؟ ہم سب مل کر ضمیر اور شعور کا راستہ بن جائیں!

میڈلین کے مسافروں کے بارے میں ریحان الدین نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ اس کے مسافروں کا تعلق کینیڈا، اٹلی، ملائیشیا، نیوزی لینڈ، ناروے، جنوبی افریقہ، اسپین، سویڈن، ترکی، امریکہ، آئرلینڈ، برازیل، آسٹریلیا اور فرانس سے تھا۔

اس سے پہلے فریڈم فلوٹیلا کا انتظام غزہ بچاؤ تحریک نے 2010ء میں کیا تھا۔ اس میں ترکی سے انسانی ریلیف کی فاؤنڈیشن کا مرکزی کردار تھا۔ صہیونی قابض فوج نے 31 مئی 2010ء کی تاریخ کو فریڈم فلوٹیلا کو روک دیا تھا۔

میڈلین نے پندرہ سال بعد اپنے سفر کا آغاز کیا تھا۔ ریحان الدین نے لکھا ہے کہ 2011ء میں بھی فریڈم فلوٹیلا نے 5 جولائی کو سفر شروع کیا تھا۔ اس کا ماٹو تھا: ''انسان بنو۔'' اتنے برس گزرنے کے بعد بھی صہیونیت کو انسانیت کی سمجھ اور صہیونیوں کو انسان ہونا نصیب نہیں ہوا۔

خصوصی رپورٹ: ابوالعین

صہیونی گینگسٹرز... کل بھی انسان دشمن، آج بھی

غزہ میں خوراک کی تقسیم کے نام نہاد نظام کو مسلط کرنے اور بھوک و پیاس سے بے حال غذائی امداد کے منتظر عوام کو گولیوں کا نشانہ بناتے ہوئے نیتن یاہو کے شاطرانہ ذہن نے ایک اور بوتل کا ڈھکن کھولا ہے۔ اس میں سے ایک بہ ظاہر نیا لیکن بہت پرانا جن برآمد کیا ہے۔ صہیونیت سے کسی نیکی کی توقع کرنا فضول ہے۔ نیتن یاہو نے نسل کشی جاری رکھنے اور خود کو انسانیت کے خلاف براہ راست جرائم کے ارتکاب کا ذمہ دار ٹھہرائے جانے سے بچنے کے لیے غزہ میں ایک تیسری قوت متعارف کرادی ہے۔

اس قوت کو انسداد مزاحمت فلسطین کا شیطانی نام دیا گیا ہے۔ اس قوت کو اسرائیلی فوج نے ہلکے ہتھیاروں سے مسلح کیا ہے۔ اس میں غزہ سے ہی تعلق رکھنے والے سٹریٹ جرائم میں مرتکب، جنگی جرائم میں مطلوب اور فلسطینی زندگی کو مختلف طرح سے تباہ کرنے والے افراد کو شامل کیا گیا ہے۔ ان کے ساتھ ان عوام کو بھی شامل کیا گیا ہے جو حماس کی مخالفت میں بدنام سمجھے جاتے تھے۔

اس بارے میں ایک رپورٹ اقبال جسات نے مرتب کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس قوت یا سبوتاژ فورس کو سمجھنے کے لیے جنوبی افریقہ کی نسل پرست انتظامیہ کے ماضی کی طرف جانا ہوگا۔ اس میں بھی اسی طرح کے جرائم کا پس منظر رکھنے والے افراد کو شامل کیا گیا تھا۔ یہ فورس 1980ء اور 1990ء کے عشروں تک جنوبی افریقہ میں سرگرم رہی تھی۔ یہ جنوبی افریقہ کی نسل پرست انتظامیہ کی تھرڈ فورس تھی۔ اس میں قتل و غارت، لوٹ مار اور دیگر مجرمانہ سرگرمیوں کے لیے الگ الگ سکواڈ بنائے گئے تھے۔

اس قدر الگ مثال سے زیادہ قربت کی مثالیں خود صہیونیت کے اپنے ماضی میں موجود ہیں۔ اسرائیل کی ناجائز اور غیر قانونی ریاست کے قیام سے ذرا پہلے صہیونیت کے دہشت گرد گروہ سرگرم تھے۔ ان میں کچھ گروہ وہ تھے جنہیں خود صہیونیت نے تیار اور منظم کیا تھا۔ اس وقت برطانیہ کو مشرق وسطیٰ کے اہم حصوں پر مینڈیٹ حاصل تھا۔ اس نے بعض گروہ تیار کیے تھے۔ بعض مغربی قوتوں نے بھی سبوتاژ کرنے کے گروہ بنا رکھے تھے۔ ان سب کا مقصد ایک اور ٹارگٹ مختلف تھے۔ ان کا مقصد اس وقت کے فلسطین سے عرب آبادی کو توڑنا، فرار ہونے پر مجبور کرنا اور فلسطینی زندگی کو بے ترتیب کرنا تھا۔ ہم یہاں چند ایسے ہی گروہوں کا تذکرہ کریں گے تا کہ نیتن یاہو کے شیطانی ذہن نے تھرڈ فورس کے عنوان سے جو کچھ کیا ہے، اسے سمجھا جا سکے۔

دی ہگانہ گینگ (The Hagana Gang)

ڈیوڈ بن گوریان اور آئزک بن زوی نے ہاشومر (Hashomar) یا گارڈین کے عنوان سے ایک نیم فوجی تنظیم قائم کی تھی۔ اس کا نعرہ تھا: آگ اور خون نے جو یہ (مغربی کنارے کا علاقہ) ہم سے چھین لیا۔ ہم آگ اور خون سے ہی اسے واپس لیں گے۔ اس گروہ نے گلیلی (Galilee) کی یہودی بستی کو اپنا مرکز بنایا۔ یہ بات واضح رہے کہ برطانوی مینڈیٹ کے زیر سایہ نوآبادیاتی یہودی آبادکاری جاری تھی۔ دوسرے ممالک سے یہودیوں کو لا کر اس ''بستی'' اور دیگر مقامات پر آباد اور وہاں سے فلسطینیوں کو بے دخل کیا جاتا تھا جس طرح مغربی کنارے میں آج انہیں آباد اور وہاں سے مقامی فلسطینیوں کو نکالا جاتا ہے۔

جون 1920ء میں Ahdut ha Avodah کانفرنس کے انعقاد پر ہگانہ گروپ کی تشکیل کا باقاعدہ اعلان کیا گیا۔ یہ گروپ تب ہاشومر کا تسلسل کہا گیا۔ اس گینگ نے 1924ء میں اپنے دستور کا اعلان کیا۔ اس کے مطابق یہ گینگ ایک خفیہ فوج کے قیام کا آغاز تھا۔ فلسطین میں تب یہودیوں کو اجتماعی شکل دینے کے لیے یشو (Yishuv) کا نام دیا گیا تھا۔ ہگانہ کا تعلق یہودی لیبر یونینز سے جوڑا گیا۔ اس کے ارکان کو اسلحہ استعمال کرنے کی فوجی تربیت دی گئی۔ یہ تربیت یہودی بستیوں اور ان کے لیے قائم خصوصی (Kibbutz) میں دی جاتی تھی۔

دوسری جنگ عظیم میں اس گینگ کو برطانوی فوج کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔ یہ گینگ جنگ کے خاتمے پر یہودی ریاست کے قیام سے منسلک کر دیا گیا۔ اس وقت تک کسی یہودی ریاست کا وجود تھا اور نہ ہی اس کا تصور موجود تھا۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا جب اس کے ارکان کی تعداد 60 ہزار اور اس کے افسران کی تعداد 700 سے زیادہ ہو گئی۔

دی ارگون (ایتزل) گینگ
The Irgun (Itazel) Gang

1923ء میں صہیونیت میں ایک الگ طبقہ سامنے آیا۔ اس کی قیادت ولادی میر جبیٹ ٹینسکی (Jabottensky) کر رہے تھے۔ یہ گروہ یا گینگ لٹویا (تب سوویت یونین) میں اس کے دارالحکومت ریگا میں قائم کیا گیا۔ جلد ہی فلسطین میں بھی ارگون قائم کر دیا گیا۔ یہ نیشنل ملٹری آرگنائزیشن کے نام سے متعارف کرایا گیا۔ اس کا سربراہ ابوراہم تہومی کو بنایا گیا۔ اس نے کہا کہ سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لیے دہشت گردی ضروری ہے۔

1942ء میں میناحم بیگن (بعد کے وزیراعظم اسرائیل) نے گروپ کی کمان سنبھالی۔ اس گروہ یا گینگ نے درپردہ سازش کے تحت ملی بھگت اور برطانیہ کی اجازت سے برطانوی مینڈیٹ سے بغاوت کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد گروہ نے دہشت گردی سے فلسطینی زندگی کو سبوتاژ کرنا شروع کر دیا۔

دی سٹرن گینگ (The Stern Gang) یہ گینگ ارگون سے ٹوٹے ہوئے دہشت گردوں نے مل کر بنایا۔ اس کا بانی یوراہم سٹرن تھا۔ اس کا کوڈ نام یائر (Yair) تھا۔

دی لیحی گینگ (The Lehi Gang)

برطانوی پولیس نے 12 فروری 1942ء کو ابوراہان سٹرن کو قتل کر دیا۔ اس کے ساتھیوں نے نیا گینگ بنا لیا جس کا نام لیحی گینگ رکھا گیا۔

جنوبی افریقہ میں جس طرز پر گینگ تشکیل دیے جاتے تھے، ان کا یوں بھی ہوا کہ ایک گینگ کے دو گرفتار ارکان نے ڈیلی میل کے رپورٹر کو بتایا کہ کس طرح لوٹ مار، قتل و غارت کے لیے ان کا حوصلہ بڑھایا جاتا، انہیں جدید ہتھیار فراہم کیے جاتے، انہیں باقاعدہ تربیت دی جاتی اور متشدد سرگرمیوں میں شریک ہونے کے طریقے بتائے جاتے۔ پھر ان کے ٹارگٹ مقرر کر کے ان سے کارکردگی رپورٹ لی جاتی تھی۔

غزہ میں بھی اسی طرز پر گینگ بنائے جاتے ہیں۔ ان کا خصوصی ہدف یہ ہوتا ہے کہ انہیں حماس کے ارکان کو ڈھونڈ کر انہیں قتل کرنا تا کہ ان کو دیکھ کر عام فلسطینی عبرت پکڑے۔ اس طریقہ کار پر فوج کے یونٹ عمل کراتے اور خود نگرانی کرتے ہیں۔ حماس نے اسی طرح کے ایک گروہ کے 40 ارکان کو تلاش کیا۔ ان میں سے بعض کے ساتھ باقاعدہ آمنا سامنا ہوا۔ ان سب کا آخر کار خاتمہ کیا گیا ہے۔

صحافیوں نے غزہ میں ایسے گینگ اپنی رپورٹوں میں نہ صرف بیان کیے بل کہ یہ بات ثابت ہوئی کہ ان کو صہیونی قابض فوج تشدد کرنے، مار پیٹ اور قتل و غارت کی تربیت دیتی ہے۔ یہ لوگ نیتن یاہو کی تھرڈ فورس کا حصہ بنتے اور فوج کو کارکردگی رپورٹ بھی دیتے ہیں۔

ان گینگز کے بنانے میں صہیونیت کی تاریخ ان کے کام آتی ہے۔ ان سے فلسطینیوں کی نسل کشی کا کام بھی لیا جاتا ہے اور یہ حماس کے خلاف بھی استعمال ہو رہی ہے۔ ان کی وجہ سے نیتن یاہو کو صحافیوں کے تند و تیز سوالات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔

نیتن یاہو اور جو بائیڈن اور اب ڈونلڈ ٹرمپ حماس کے خاتمے کو پوری مشینری کے باوجود یقینی نہ بنا سکے۔ وہ ان سرگرمیوں میں سرپرستی کرنے کے الزامات سے دامن نہ چھڑا سکے۔ اس طرح کے گینگ بنا کر وہ براہ راست انسانیت کے خلاف جرائم اور جنگی جرائم کے الزامات کی زد میں آنے سے خود کو بچاتے آئے ہیں۔ ان گینگز کو صحافی Gangs of Thugs کا نام دیتے ہیں۔

ان گینگ میں سے ہی ایک یاسر ابوشباب کی قیادت میں سرگرم رہا۔ اس کا تعلق محمود عباس صدر فلسطینی اتھارٹی گروپ سے رہا۔

ان کے علاوہ نیتن یاہو کابینہ کے موجودہ اور سابق ارکان حماس اور دیگر مزاحمتی گروہوں کے خلاف کام کرتے ہیں۔ سابق وزیر دفاع لائبرمین حزب اختلاف کی جماعت یسرائیل بیتینو پارٹی کے سربراہ ہیں۔ انہوں نے نیتن یاہو کی طرف سے یاسر ابوشباب گینگ کو اسلحہ منتقلی پر شدید احتجاج بھی کیا تھا۔

اس طرح کے گروہ غذائی امداد لوٹنے اور الزام مزاحمتی گروہوں بالخصوص حماس کو بدنام کرنے کے لیے ہی کام کرتے ہیں۔ غذائی امداد سے فلسطینیوں کو محروم کر کے بھوک اور پیاس کو انہی کے خلاف ایک ہتھیار کے طور پر یہ گروپ استعمال کرتے ہیں۔ ان کو قابض صہیونی حکومت، فوج کا کمان اینڈ کنٹرول و سرپرستی اور تحفظ دیتا ہے۔ اس طرح کے گینگز کے ارکان کئی مواقع پر اسرائیلی فوج کی وردیوں میں بھی نظر آتے ہیں۔

حماس کو علم ہے کہ نیتن یاہو اس کے خلاف اس طرح کے گندے ہتھکنڈے بے دریغ استعمال کر رہا ہے۔ حماس نے 30 مئی کو ایک ویڈیو جاری کی جس میں دکھایا گیا تھا کہ یہ افراد کس طرح سے حماس کا نام لے کر ایسی کارروائیاں کرتے ہیں جو حماس نے زندگی بھر نہیں کیں۔ حماس نے وڈیو میں بتایا کہ کس طرح سے یہ گینگ اسرائیل کی قابض فوج کی نگرانی میں سرگرم ہیں۔

اب تو یہ بات غزہ میں عام ہے کہ اس طرح کے گینگ زیر زمین کام کر رہے ہیں، ان سے بچا جائے۔ حماس مخالف بعض قبائل کے لوگوں کو بطور خاص ان سرگرمیوں میں ملوث دیکھا جا رہا ہے۔

پس آئینہ: تحریر: محمد آصف خان، ترجمہ: ابوالعین

صہیونیت اور ہندتوا: نظریاتی سفر اور عملی تعاون

غزہ میں نسل کشی اور کشمیر میں فالس فلیگ آپریشنز تک

مقبوضہ بھارتی کشمیر کی دور دراز گوریز وادی میں اعجاز ڈار اپنے مٹی اور لکڑی سے بنے گھر کے باہر بیٹھا ہے۔ وہ زندگی کے 26 مہ وسال دیکھ چکا ہے۔ اس کی نگاہوں کے سامنے کوئی بارہ کلومیٹر دور ناہموار پہاڑی چوٹیاں دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ چوٹیاں لائن آف کنٹرول بناتی ہیں۔ یہ کشمیر کے دو متنازعہ حصوں کے درمیان بے قاعدہ سرحد ہے۔ اعجاز ڈار بھارتیب مقبوضہ میں ہے اور چوٹیوں کے دوسروں طرف پاکستان ہے۔

ڈار کا گھر بہت خطرناک جگہ پر واقع ہے۔ لیکن وہ اس خیال کو ایک طرف جھٹک دیتا ہے۔ یہ 2019ء کی بات ہے۔ یہاں لوگ عام طور پر بنکروں میں رہتے ہیں۔ اس کی خالہ اپنے بچے کی خوراک کا بندوبست کرنے اپنے اس بنکر سے باہر نکلی ہے جہاں وہ اپنے اہل خانہ سمیت رہ رہی ہے۔

اچانک ہی بہت تیز گولہ باری ہونے لگی ہے۔ مارٹر کا گولہ کہیں قریب ہی آن گرا ہے۔ چشم زدن میں ہر شے بکھر گئی ہے۔ پھر خاموشی نے ڈیرے ڈال لیے ہیں۔ ’’خالہ کا کچھ بھی تو نہیں بچا ہے۔‘‘ ڈار دور بیٹھا کہتا ہے اور پھر خاموش ہو جاتا ہے۔ ’’میں جب بھی جنگ کی باتیں سنتا ہوں، میرا ریڈیو بولتا ہے تو خالہ کی یادیں بولنے لگتی ہیں۔‘‘

کشمیر میں غم کوئی نئی بات، نیا احساس نہیں ہے۔ لیکن جس انداز سے دو ایٹمی ملکوں کے مابین جھڑپیں ہونے لگی ہیں، خوف پھر سے زندہ ہو گیا ہے۔ اعجاز ڈار کی طرح عارضی بارڈر کے آس پاس رہنے والوں میں تو خوف لہر بن کے ان کی رگوں میں دوڑنے لگا ہے۔

حالیہ لہر اس اعتبار سے خاص ہے کہ 22 اپریل سے پہلگام کے علاقے سے بہت زیادہ ڈر سا لگنے لگا ہے۔ یہ مقبوضہ کشمیر کا ہی ایک گاؤں ہے۔ یہاں سیاحت کی غرض سے آنے والوں میں سے 26 مارے گئے ہیں۔ ان میں زیادہ تعداد ہندوؤں کی تھی۔

پہلے ایک گروہ نے حملے کی ذمہ داری قبول کی تھی۔ پھر اس گروہ نے اپنا دعویٰ واپس لے لیا۔ اس گروہ کے ترجمان نے کہا کہ اس کی ویب سائٹ ہیک کر لی گئی ہے۔

بھارت نے اس واقعہ کا سارا ملبہ پاکستان پر ڈال دیا۔ بھارت نے اس واقعہ کا بدلہ لینے کا اعلان بھی کر دیا۔ پاکستان نے حملے سے مکمل لاتعلقی کا دعویٰ کرتے ہوئے بین الاقوامی سطح پر تحقیقات کا اعلان بھی کر دیا۔

دو دن بعد بھارت نے پاکستان کے خلاف آپریشن سندور'' شروع کر دیا۔ فضائی حملے شروع کر دیے اور ان کو ''عدم اشتعال زدہ'' قرار دے دیا۔

اسرائیلی ساخت کے کئی ڈرون پاکستان پر بھارت نے بھیجے۔ ان میں ''ہیروپ'' ڈرون بھی تھے۔ انہیں خودکش کہا گیا۔ ان کو اسرائیل کی ایروسپیس انڈسٹریز (آئی اے آئی) نے تیار کیا تھا۔ یہ ہدف کے اوپر پرواز کرتے۔ پھر ہدف پر آن گرتے۔ ان میں 10 کلو گرام وارہیڈ تھا۔ یہ چھ گھنٹے پرواز کرتے رہتے۔ ہیروپ خریدتے ہوئے بھارت کا بہت زیادہ ان پر انحصار تھا۔

اوشرٹ پرویدکر کا تعلق یروشلم انسٹی ٹیوٹ برائے سٹریٹجی اینڈ سیکیورٹی سے ہے۔ اوشرٹ نے ٹائمز آف اسرائیل کو بتایا کہ ہیروپ کا بہت زیادہ انحصار واضح کرتا تھا کہ بھارت بڑی حد تک دفاع میں ان پر بھروسہ کر رہا تھا۔

پاکستان نے دعویٰ کیا کہ اس نے بہت سے ہیروپ ڈرون پکڑے۔ ان کے تباہ شدہ ڈھانچے سوشل میڈیا پر وائرل ہوئے۔ ان کو ان کے کام دکھانے سے قبل یا بعد میں پکڑا گیا۔ ان میں سے ایک کے ڈھانچے پر لکھا تھا: انرکان ٹیکنالوجیز۔ یہ ایک اسرائیلی کمپنی ہے جو برکان کی یہودی بستی میں کام کرتی اور اسرائیلی دفاعی سامان تیار کرتی ہے۔ انرکان کو اب امریکہ میں قائم ادارے بل فیوز (BelFuse) نے لے لیا ہے۔

پاکستان کا دعویٰ ہے کہ اس نے ہیرون (Heron) ڈرون بھی پکڑا ہے۔ یہ بھی اسرائیل سے بنا ہے اور بہت بلندی پر جاسوسی کا کام کرتا ہے۔

بھارت کا اصرار ہے کہ وہ دہشت گرد مراکز پر حملے کر رہا تھا۔ پاکستان نے بھارت کے اس بیانیے کو سراسر جھوٹ قرار دیا اور کہا کہ یہ سراسر جنگ تھی۔ ان سے 31 شہری ہلاکتیں ہوئیں۔ چھ مقامات پر ان حملوں سے دو بچے بھی شہید کیے گئے۔ ان حملوں کا نشانہ پاکستان میں مساجد تھیں۔ کچھ حملے پاکستانی کشمیر میں بھی ہوئے۔

اسرائیل اسی طرح غزہ پر حملوں کا جواز دیتا ہے وہ ہسپتالوں، سکولوں اور بے گھر لوگوں کے کیمپوں پر حملے کرتا ہے۔

آزاد عیسیٰ نے Hostile Homelands: The New Alliance Between India and Israel میں لکھا ہے: ''نہ رکنے والے ڈرون حملے کشمیریوں کو یاد دلاتے ہیں کہ ان کی مسلسل نگرانی کی جا رہی ہے۔ ایک بھی غلط نتیجہ انہیں قتل کرنے کے لیے کافی ہوگا۔''

دائیں بازو کی بھارتی حکومت کے لیے اسرائیل محض ایک سپلائر نہیں ہے۔ وہ ایک رول ماڈل ہے۔ وہ ایک ایسی ریاست ہے جسے وسیع تر قبضے کا بہت زیادہ تجربہ ہے۔ وہ ایک ایسی نسل پرست انتظامیہ ہے جو نارمل رہ سکتی ہے۔

ہیروپ ڈرون کے علاوہ بھارت اسرائیل کا بنا باراک 8 میزائل بھی استعمال کر رہا ہے۔ یہ ایک پورا نظام ہے جو حملے کا جواب دینے والوں کو بھی روک سکتا ہے۔ اسرائیل کے ایروسپیس انڈسٹریز اور بھارت کی دفاعی تحقیق اور ترقی کی آرگنائزیشن (DRDO) دونوں نے باراک 8 اور دیگر منصوبوں پر مشترکہ کام کرتے ہیں۔

حالیہ حملوں سے ثابت ہوا کہ اسرائیل اور بھارت بہت سے منصوبوں پر کام کر رہے ہیں۔

بھارت اور یوکرائن اس وقت اسلحہ و گولہ بارود کے سب سے بڑے امپورٹر ہیں۔ حالیہ چند برسوں میں بھارت اسلحہ و فوجی ترسیل کے لیے یوکرائن کا سب سے بڑا بھروسہ کرنے والا ملک بن گیا ہے۔ اس نے اسرائیل سے 22-2021 کے درمیان چار ارب 20 کروڑ ڈالر کا اسلحہ و دیگر فوجی سامان خریدا ہے۔

غزہ میں جاری نسل کشی اور نسلی صفائی کے دوران میں بھی بھارت اسرائیل کو سپورٹ کر رہا ہے۔ 2024ء میں بھارت نے اسرائیل کے کارگو بحری جہاز Marianne Danica کو اپنی بندرگاہ استعمال کرنے کی سہولت دی جس کو سپین نے اس لیے انکار کر دیا تھا کیوں کہ وہ 27 ٹن دھماکہ خیز مواد لے جا رہا تھا جو غزہ پر استعمال ہوا۔ یہ مواد حیفہ جا رہا تھا۔ یہ مواد چنائی سے لیا گیا تھا۔

اس سے نہ صرف یہ ظاہر ہوا کہ بھارتی گولہ بارود کا سب سے بڑا درآمد کنندہ اسرائیل ہے جب کہ وہی اس کا بڑا اسپورٹر بھی ہے۔ اس تجارت میں ایڈانی ایلبیٹ ایڈونسڈ سسٹمز انڈیا، جو اسرائیل اور بھارت کا مشترکہ منصوبہ ہے، کے علاوہ میونیشنز انڈیا بھی شامل ہے جو ریاستی ادارہ ہے۔

غزہ میں جاری فلسطینی نسل کشی میں نصیرات کیمپ میں پناہ گزین کیمپوں پر میزائلوں سے حملے میں وہاں ان کی باقیات پر میڈ ان انڈیا آسانی سے پڑھا جا سکتا تھا۔ اسلحہ کی یہ برسات اسرائیل کے لیے بہت اہم رہی۔ بہت سی یورپی کمپنیوں پر بہت زیادہ دباؤ رہا کہ وہ اسرائیل کو اسلحہ و گولہ بارود دینا بند کریں، بھارت کسی دباؤ کے بغیر یہ کام آسانی سے کرتا رہا۔ اسے کسی نے پوچھا بھی نہیں۔

اس مدت میں بھارت نے باقاعدگی سے اسرائیل سے بھاری مقدار میں اسلحہ کی برآمد جاری رکھی۔ اس دوران میں بھارتی سامان کے دیگر خریداروں کو انتظار کی زحمت اٹھانا پڑی۔

یہ سامان تجارت کھلے عام جاری رہا ہے۔لیکن یہ ہمیشہ ہی ایسا آسان نہیں تھا۔کئی عشرے گزرے، بھارت سے رسمی تعلقات اس قدر عام نہیں تھے۔وہ فلسطین کی حمایت بھی کرتا رہا۔اس نے 1947ء میں فلسطین کی دو ریاستوں میں تقسیم کے مرحلے میں تنظیم آزادی فلسطین یا پی ایل او کو تسلیم کیا تھا۔1975ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی قرارداد میں صہیونیت کو نسل پرستی کے مترادف قرار دیا گیا تو بھارت نے اس کی حمایت کی تھی۔

فلسطین بھی برطانوی نوآبادیات میں رہا جس طرح پاکستان اور بھارت نے برطانوی نوآبادیات سے آزادی حاصل کی تھی۔وہ خود کو آزادی کے بعد نوآبادیاتی اقتدار سے آزادی کے لیڈر کے طور پر پیش کرتا رہا۔اس نے غیر جانبدار تحریک میں بھی خود کو پیش پیش رکھا۔

مہاتما گاندھی اور جواہر لعل نہرو دونوں بھارت کی آزادی کے ہیرو سمجھے جاتے ہیں۔وہ صہیونیت کو نوآبادیات کا تسلسل قرار دیتے تھے۔ایک موقع پر گاندھی نے کہا تھا:

’’فلسطین عربوں کا ہے۔یہ اسی طرح سچ ہے جس طرح انگلینڈ انگریزوں کا ہے۔فرانس فرانسیسیوں کا ہے۔‘‘

جن برسوں میں بہ ظاہر دونوں ملکوں میں سفارتی فاصلہ رہا ہے، اسلحہ کا بہاؤ بہت تواتر لیکن خاموشی سے جاری رہا ہے۔چین اور بھارت کی 1962ء کی جنگ میں ہتھیار اسرائیل فراہم کرتا رہا۔اس کی شرط تھی کہ جن جہازوں میں یہ سامان بھارت جائے گا، ان پر اسرائیل کا جھنڈا ضرور بنا رہے گا۔

پاکستان سے کارگل کی 1999ء کی جنگ کے دوران اسرائیل ڈرون سسٹم بھارت کو فراہم کرتا رہا۔وہ بھارت کو لیزر گائیڈڈ بم بھی دیتا رہا۔اس نے بھارت کو ہتھیار فراہم کرنے میں لیڈنگ کردار ادا کیا۔

بھارت نے اسرائیل کے ساتھ رسمی سفارتی تعلقات 1992ء میں قائم کیے۔تب سرد جنگ ختم ہوئی تھی۔ بھارت امریکہ سے قریبی روابط چاہتا تھا۔اس وقت بھارتی سورماؤں نے جانا کہ واشنگٹن جانے والی شاہراہ تل ابیب سے ہو کر گزرتی ہے۔

نریندرا مودی اقتدار میں آئے تو دونوں ملکوں میں منفرد نظریاتی سوچ ابھرتی محسوس کی گئی۔مودی وہ پہلے وزیراعظم تھے جو 2017ء میں اسرائیل کے دورے پر گئے۔ان کی بھارتیہ جنتا پارٹی نے بھی ’’محسوس‘‘ کیا کہ اسے اسرائیل کی نسلی قومیت میں اپنے دل دھڑکتے محسوس ہو رہے ہیں۔بی جے پی کے لیے یہ بھی انکشاف تھا کہ صہیونی اسرائیل کے ’’یہودی ملک‘‘ کے لیے فلسطین ایک آئیڈیل جگہ ہے۔یہی کچھ بی جے پی ہندتوا بھارت میں چاہتی ہے۔اس طرح بھارت کو ’’ہندو دیش‘‘ میں ڈھالا جا سکتا ہے۔

یہ ’’نظریاتی ملاپ‘‘ علامتی ہی نہیں تھا۔

2019ء میں بھارتی سفارت کار سندیپ چکرورتی نے تجویز کیا کہ کشمیر میں ہندو آبادکاروں کی طرز پر مغربی کنارے میں اسرائیلی آبادیاں بسائی جا سکتی ہیں۔بھارت کے سائنس دان آنند رنگاناتھن نے تجویز کیا کہ کشمیر کا مسئلہ اسرائیل کی طرح حل کیا جا سکتا ہے۔

2019ء میں بھارت نے مقبوضہ کشمیر کی محدود خود مختاری ختم کر دی۔اور پھر 2022ء میں بھارتیوں کو یہ ’’حق‘‘ دیا گیا کہ وہ مقبوضہ کشمیر کے شہری بھی بن سکتے ہیں۔اس طرح 80 ہزار نان ریزیڈنٹس بھارتیوں کو کشمیر کی غیر مشروط شہریت دے دی گئی۔یہ مقبوضہ فلسطین میں اسرائیلی نوآبادیات کی طرز پر بھارتیوں کی کشمیر میں نوآبادی بنا دی گئی۔

پہلگام واقعہ کے بعد بھارتی افواج نے خطے میں کشمیریوں کو دہشت گرد قرار دے کر ان کے 2 ہزار گھر مسمار کر دیے اور انہیں بے گھر کر دیا گیا۔دہلی یونیورسٹی کے ایک پروفیسر اپوروانند نے کہا کہ ہندوتوا اسرائیلی ہتھکنڈوں کو خوبی سے کشمیر میں استعمال کر رہی ہے۔

گوتم ایڈانی بھارت کے ارب پتی تاجر ہیں اور ایڈانی گروپ کے سربراہ ہیں۔وہ نظریے کے لیے اسلحہ کی تجارت بھی کرتے ہیں۔یہ بھارت کے دوسرے امیر ترین فرد ہیں۔نریندرا مودی کے بہت قریب سمجھے جاتے ہیں۔

ایڈانی نے 2018ء میں اسرائیل کی (Albit Systems) کے ساتھ حیدرآباد میں ڈرون بنانے کی فیکٹری کا آغاز کیا۔2024ء تک اس کمپنی نے اسرائیل کو Hermes 20 قسم کے 900 ڈرونز فراہم کر دیے تھے۔مودی گورنمنٹ نے پالیسی سازی سے ایڈانی گروپ کو فائدے دیے۔فلسطینیوں کی نسل کشی کے لیے مبینہ طور پر ایڈانی گروپ کے ڈرونز استعمال ہوتے ہیں۔

پاکستان اور بھارت میں جنگ بندی امریکہ نے کروائی تھی۔یہ کام 10 مئی کو ہوا تھا۔اس جنگ بندی کے باوجود دونوں ملکوں کے درمیان معاملات اب تک کشیدہ چلے آ رہے ہیں۔پاکستان اس جنگ بندی پر عمل کر رہا ہے تاکہ خون خرابے سے بچا جا سکے۔غزہ کی حد تک نسل کشی جاری ہے۔اس میں وقفہ نہیں آ سکا۔

تحریر: بینے بلینڈ، ترجمہ: ٹرانسلیشن ڈیسک

ہم سب فرنٹ لائن پر ہیں

غزہ، مغربی کنارے اور فلسطینی زندگی پر فلموں کا تذکرہ

How the War was Remembered: Hollywood and Vietnam

یہ 1988ء میں لکھی گئی لیونارڈ قارت اور البرٹ آسٹیر کی کتاب کا ٹائٹل تھا۔ ان دونوں نے یہ محسوس کیا کہ بہت کم فکشن موویز ایسی تھیں جن کا موضوع ''جنگ'' تھا۔ اس میں انہیں سمجھنے میں بہت کم وقت لگا کہ کم بجٹ میں بامعنی فلمیں کم تھیں۔ ان میں 1978ء میں بننے والی فلم (The Deer Hunter) اور 1979ء میں Apocalypse Now بھی تھیں۔

عراق جنگ سے پہلے اور دوران میں قارت اور آسٹیر نے بڑی وضاحت سے بیان کیا کہ بہت سی فلمیں جنگ سے واپس آئے فوجیوں کے حالات پر بنائی گئی تھیں۔ وہ جس نوعیت کے ٹراما سے گزر کر آئے تھے، اس سے ان کے زندگی کے حالات ہی بدل گئے تھے۔ اسی کرب سے ان کے خاندان بھی گزرے تھے۔

Valley of Elah فلم 2007ء میں بنائی گئی تھی۔ اس کے ڈائریکٹر پال ہیگز اور لکھنے والے کہتے ہیں کہ ''ہم بالکل اب، جنگ کے بعد کہاں اور کس حال میں ہیں اور کیا ہو رہا ہے۔'' یہ بالکل اس انجیلی کیفیت کا استعارہ تھی جس میں ڈیوڈ نے گولیاتھ کو شکست دی تھی۔

''کن خون چوسنے والی بلاؤں سے ہم لڑے تھے۔'' قارت اور آسٹیر جب آپس میں بات کرتے ہیں تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ ''یہ بیان کرنا بہت مشکل ہوتا۔'' ''یہ تو بتانا ہی بہت ہولناک ہوتا کہ وہ بلا کیا تھی؟''

لیکن فلسطینیوں کے لیے خون پینے اور چوسنے والی بلاؤں کا تذکرہ چنداں مشکل نہیں ہے۔ وہ ان کو بہ خوبی شناخت کر لیتے ہیں لیکن شرط تو یہ ہے کہ وہ ایسا کرنے کے لیے زندہ بھی رہے ہوں۔ ان کے سامنے 1948ء کے نکبہ سے اب تک سب کچھ ان کی نگاہوں کے سامنے ہے۔ انہوں نے تو صہیونی قبضہ میں بہت تکلیف دہ زندگی بسر کی ہے۔ انہوں نے اپنی نسلوں کو دیکھا ہے کہ کس طرح صفحۂ ہستی سے صاف اور غائب کی جاتی رہی ہیں۔ یہ سلسلہ اب بھی غزہ میں جاری ہے۔

اب ان کی باری ہے۔ ان کے بچے، وہ خود، والدین، بیوی، بہن بھائی سب کو چن چن کر قطار در قطار بڑے بے رحمانہ طریقوں سے ختم کیا جا رہا ہے اور دنیا یوں دیکھ رہی ہے کہ ۔۔۔ٹک ٹک دیدم، دم نہ کشیدم۔ 7 اکتوبر 2023ء سے یہ قیامت جاری ہے۔

فلسطینیوں کے لیے آج کوئی بھی محفوظ پناہ گاہ نہیں ہے۔۔۔ ان کو سپورٹ کرنے والے محض دیکھ رہے ہیں کہ سب قربان کیے جا رہے ہیں۔۔۔ بہت سے نظریات میں Gramsci کا بھی نظریہ ہے۔ رمزی بارود نے غزہ کے حالات کو Interregnum کی اصطلاح سے بیان کیا ہے، اسے دوسرے الفاظ میں ''بلاؤں کا دور'' بھی کہا جاتا ہے۔ ایک درمیانی عرصہ ایسا بھی گزرا ہے جس میں پرانے آقا کوشش کرتے رہے ہیں کہ وہ خود کو موجودہ حالات سے متعلقہ ثابت کر سکیں۔ بہت سے حسب حال متبادلات ابھرتے رہے ہیں۔ تازہ حالات کے بارے میں یہ فلم بتا رہی ہے کہ اب فوری قدم اٹھانے کی ضرورت ہے اور جگہ بھی باقی رہنے دی جائے گی یا نہیں۔

فرح نابلوسی نے 7 اکتوبر سے پہلے فلم The Teacher بنائی تھی۔ یہ فم اس نسل کشی (Genocide) کے درمیان نمائش کے لیے پیش کی گئی۔ اگرچہ یہ فلم 2011ء اور اس

کے آس پاس کے حالات بیان کرتی ہے لیکن آج بھی یہ فلم زندہ ہے۔

اب ساری توجہ اسرائیل کے نسل کشی Genocide پر ہے، اپنے دیکھنے والوں کو نابلوسی کی فلم یاد دلاتی ہے کہ اب بھی مغربی کنارے کی صورت بہت نازک کردی گئی ہے۔ فلسطینی وہاں موت وحیات کی کش مکش سے گزارے جارہے ہیں۔ ایک کھلی نسل کشی غزہ میں جاری ہے اور ایک دنیا کی نگاہوں سے قدرے دور جاری ہے۔

جب یہ فلم شروع ہوتی ہے تو باسم سامنے نظر آتا ہے۔ یہ کردار صالح برکی نے کیا ہے۔ وہ اپنے سکول جارہا ہے۔ سڑک کنارے ایک اسرائیلی فوجی اپنی گن سیدھی کیے ہوئے ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حالات کس طرف جانے والے ہیں۔ بہت سے فلم پر تبصرہ کرنے والوں کے نزدیک یہ فلم مختلف ٹکڑوں کو سامنے لاتی ہے۔ بہت سے مناظر دکھائے گئے ہیں جن کو کسی لڑی میں پرویا نہیں گیا ہے۔ مثال کے طور پر پیٹن رابنسن نے الزام لگایا ہے:

''نابلوسی کی فلم دل کو چھولیتی ہے لیکن ذہنی گرفت ختم یا کمزور کردیتی ہے۔ وہ پلاٹ کے بعد پلاٹ تبدیل کرتی ہے، وہ پلاٹ کو پرو نہیں پاتی۔''

رابنسن نے اسے ''ٹوٹا ہوا دستکاری کا کام'' قرار دیا ہے، خواہ یہ مغربی کنارے یا غزہ یا کسی بھی فلسطینی زندگی کو دکھاتا ہے۔ مقبوضہ مغربی کنارے میں ہی نابلوسی نے فلم بنائی ہے۔ روز مرہ کی زندگی اسی طرح بھی اسی طرح شکستہ اور ٹوٹی ہوئی ہے۔ جگہ جگہ چیک پوسٹیں ہیں، پوچھ گچھ اور مار پیٹ ہے۔ اب تو غیر قانونی آبادکاروں نے خانہ جنگی کو خانہ بربادی بنادیا ہے۔ فلسطینیوں کو یہ برداشت کرنا ہی ہے۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

باسم کے طلبہ کے لیے جیل ایک پڑاؤ ہے جہاں ہر کسی کو ایک بار تو لازمی رکنا ہے۔ اس صورت حال میں ذرہ بھی تبدیلی نہیں ہے۔ پھر احساس ہوتا ہے کہ تعلیم بہت بہت ضروری ہے۔ باسم جانتا ہے کہ اصل شاہ کلید ہی خواندگی ہے۔ اسی سے کسی کی اور سب کی تاریخ بنتی ہے۔ اسرائیل کے سرکاری بیانیے کا بھی جواب یہی تعلیم ہے۔

ایمی گڈمین سے اپنے انٹرویو میں نابلوسی نے بتایا ہے کہ شکستگی کیا ہوتی ہے۔ اس نے فلم میں شکستگی کو بیان کیا ہے۔ وہ فلم سازی کے مراحل کا بھی ذکر کرتی ہے: ''ہمیں کئی سطحوں پر جدوجہد کرنا پڑی۔ نارمل زندگی چیک پوائنٹس اور روڈ بلاکس میں تقسیم ہے۔ اس بدترین جبر میں اور مسلسل تذلیل اور گالم گلوچ کرتے فوجیوں کے غول میں زندہ کیسے رہا جاتا ہے، اس کا اندازہ صرف اور صرف فلسطینی ہی لگا سکتے ہیں۔ آپ ان حالات کو کسی بھی سنیما میں کیسے دکھا سکتے ہیں؟''

اس انٹرویو کے دوران میں باقری نے لقمہ دیا: ''ہم تو ہر جگہ بکھرے پڑے ہیں، ہمیں موقع بل کہ مہلت ہی نہیں دی جاتی کہ ہم مل بیٹھیں، مل کر کام کرسکیں، ایک دوسرے سے سیکھ سکیں، کسی بھی طرح اپنی کہانی سناسکیں۔ پوری طرح بتاسکیں، مکمل بیان ہی کرسکیں۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے۔''

یہ امریکی آمریت یا ان کی فلموں کے ڈائریکٹروں کے بس کی تو بات ہی نہیں ہے۔ یہ صرف نابلوسی ہی ہیں جن کی تخلیقی صلاحیت ان حالات میں عود کر آئی ہے۔ وہ اور ان کی کاسٹ تو اس فلم میں پوری طرح شامل ہوگئے ہیں، رچ بس گئے ہیں۔ ان کے لیے، ہر فلسطینی کی طرح۔

یہ محض زندگی اور موت کی کش مکش نہیں ہے۔ امریکی اپنے ہاں کے استعمار پر تو بہت ہی کم فلمیں بناتے ہیں۔ وہ ویت نام، عراق، افغان یا اسی طرح کے خودکاشتہ استعماروں کو ہی موضوع بناتے ہیں۔

ایمی گڈمین سے انٹرویو میں باقری نے بتایا ہے کہ ان کا کام کسی جاری المیے کو تخلیقی قوت میں تبدیل کرنے کا ہے۔ وہ اسے اس مزاحمت کے اندر محسوس کرتے ہیں جو سارے جبر کے جواب میں ہر فلسطینی پیدا کرتا ہے۔ یہ روحوں کو نیا وجود دینے کا کام ہے۔

محمود اتاسی نے 2024ء میں Eyes of Gaza بنائی۔ اس میں ان خطرات کو فلمایا گیا ہے جن سے پتہ چلتا ہے کہ ایک صحافی کس طرح سے اپنی رپورٹ کو غزہ کے ہر گھر کی کہانی بناتا ہے۔ یہ اس ماحول میں رہ کر وہ کرتا ہے جب نسل ختم کی جارہی ہے۔

غزہ میں جاری نسل کشی اب تک 200 سے زیادہ صحافیوں کی جانیں لے چکی ہے۔ اسے فلم میں دکھایا گیا ہے۔ Eyes of Gaza کے بعد عبدالفار سباح، محمود سباح اور محمد احمد پر بھی کام ہوا ہے۔

اتاسی کو علم ہے کہ ایک نسل کشی کے جاری لمحوں میں وقت کیا معنی رکھتا ہے۔ نابلوسی کی طرح اتاسی غزہ میں موجود نہیں تھے۔ نیوعرب سے ایک انٹرویو میں انہوں نے بتایا کہ انٹرنیٹ پر رابطے رکھے گئے۔ انہوں نے شام میں جاری جبر کے ماحول میں کام کیا تھا، اس لیے انہیں علم تھا کہ کسی جنگی زون میں کس طرح رہا جاتا ہے۔ ایسا تو مغربی ڈائریکٹرز سوچ بھی نہیں سکتے۔

''اسرائیلی فوج اپنے آپ کو پرامن اور محافظ بنا کر پیش کرتی ہے۔ پھر اس تاثر کو مارکیٹ کرتی ہے کہ اس کا ہر فوجی زندہ رہنا اور رکھنا چاہتا ہے، محو رقص رہنا چاہتا ہے۔ اس تاثر پر لاکھوں ڈالر خرچ کیے جاتے ہیں۔ جب آپ غزہ پر ویڈیوز دیکھیں گے، لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ اس تباہی میں کس طرح زندہ ہیں تو سچ سامنے آجاتا ہے۔''

''یہ سب ایک بڑے پلان کا حصہ ہے۔ یہ صرف فلسطین کے لیے نہیں ہے، شام کے لیے بھی ہے۔ اسرائیل ایسے علاقے بنانا چاہتا ہے جو کسی بھی انسان سے یکسر خالی ہوں تاکہ وہ زمین کا قبضہ حاصل کرسکیں۔ وہ ہر شے تباہ کرڈالتے ہیں تاکہ صرف زمین حاصل کرسکیں۔''

اس فلم میں دکھایا گیا ہے عام شہریوں پر بمباری کس طرح کی جاتی ہے، پھر جب اخبار والے اور صحافی آتے ہیں تو کس طرح سے انہیں مارا جاتا ہے۔ فلم شروع ہوتی ہے تو ایک میزائل چلتا ہے، پھر کچھ کردار نظر آتے ہیں۔ یہ مناظر مغربی میڈیا نہیں دکھاتا۔۔۔ زخمی تڑپتے بچے، ان کے جسم اور روح دونوں زخمی ہیں۔ عمارتیں اور ان کے اپارٹمنٹس اور ان میں متحرک زندگی، اب ملبے میں ڈھل چکی ہے۔ ان کے رہائشی نیچے ہیں، دبے ہوئے بچے گھاس جمع کررہے ہیں، جھاڑیاں اکٹھی کررہے ہیں تاکہ ان کی مائیں ان سے شاید کچھ پکاسکیں۔

صحافی ان کی فلمیں بناتے اور رپورٹیں تیار کرتے ہیں کہ شاید دنیا جاگ جائے لیکن ان سے ان کے ایڈیٹرز کہتے ہیں کہ زیادہ بڑا المیہ دکھاؤ، یہ ٹریجڈی ابھی کمزور ہے وغیرہ۔ لوگوں کو دکھاؤ، لاشیں ڈالو، بلکتے بچے دکھاؤ۔ صحافی کہتے ہیں کہ یہ تو اخلاقیات نہیں ہیں۔

ایک زخمی ساتھی کو دیکھنے الشفاء ہسپتال جاتے ہوئے وہ ایک زخمی صحافی کے والد سے بات کرنے کو ٹھہرتے ہیں۔ ''ہم سب یہاں فرنٹ لائن پر ہیں۔'' وہ انہیں خصوصی طور پر بتاتا ہے کہ ان کا بیٹا تباہی کی ویڈیو بنارہا تھا جب اسے نشانہ بنایا گیا۔

''صحافی ایک ہتھیار ہے۔'' زخمی ساتھی کے والد کہہ رہے تھے: وہ مزاحمت کا ہتھیار ہے۔

حقیقت میں Eyes on Gaza ایسی فلم ہے جو ساری خوفناکی کی عکاسی کرتی ہے۔

لیکن یہ امید بھی پیدا کرتی ہے۔ جب ایک بچی کہتی ہے: ''مجھے سکول واپس جانا ہے، میری ٹیچر میرا انتظار کررہی ہے۔''

جائزہ: ابوالعین

سی این این: امریکہ کا اسرائیل ایڈیشن، سچ کا کھلا دشمن

کبھی وقت تھا کہ پاکستان میں پی ٹی وی واحد چینل تھا۔ اس کی خبر و نظر پر مکمل اجارہ داری تھی۔ عوام الناس کو اس وقت حیرت کے جھٹکے لگے جب این ٹی ایم اور پھر ایس ٹی این اس جھٹکا سازی میں شامل ہوئے۔ سی این این کی رونمائی نے مزید حیرت کا سامان کر دیا جب نیویارک اور واشنگٹن کی خبریں چشم زدن میں ان تک پہنچنے لگیں۔ لوگوں نے اسی حیرت میں سوال کرنا شروع کیا کہ عالم اسلام کا کوئی سی این این کیوں نہیں۔ پہلے وہ بی بی سی ریڈیو سنتے تھے، اب سی این این دیکھنے بھی لگے۔ پھر یوں ہوتا کہ ایک ہی خبر تین بار سننے کو ملنے لگی۔

اب لوگ سی این این سنتے ہیں، یقین کر لیتے ہیں لیکن خود سے سوال کرتے ہیں کہ کیا واقعی یہ سچ بھی ہے؟ زیادہ واقفان حال انہیں بتاتے کہ یہ خبر تو ہے لیکن اس میں اینگل (Angel) زیادہ ہے۔ جب امریکہ نے عراق پر حملہ کیا، امریکہ نے افغانستان پر حملہ کیا، امریکہ نے لیبیا میں صدر قذافی کو پراسرار حالات میں مروا دیا، جب یمن کے برسوں سے صدر اچانک مارے گئے، تب بھی یہ اینگل زیادہ تھے اور ''ٹرائی اینگل'' بھی کھلنے لگے تھے۔

جب یہ بات عام ہوگئی کہ سی این این اپنی پسند کی خبریں دیتا ہے، مسلم فوجی یا مجاہد کی لاش کو دہشت گرد قرار دیتا ہے تو حیرت اور طرح تھی۔ سی این این کی خبر دہشت زدہ کرتی تھی۔ اب سی این این کے دیکھنے والوں کی تعداد کم ہو رہی تھی۔ پھر یہ کم ہوتی گئی۔ اب سمارٹ ٹی وی یا کیبل پر سی این این ایک 'مقدس' چینل ہے جسے ہنگامی حالات میں زیادہ تجسس رکھنے والا ہی دیکھتا ہے۔

اب یہ بات کسی کو عجیب نہیں لگتی کہ اس کے ڈائریکٹرز، ایڈیٹرز، تجزیہ نگار اسرائیل کی خبر اسرائیل کے مطابق ہی دیتے ہیں، وہ اس خبر میں بھی اسرائیل کا مفاد تلاش کرتے ہیں جو امریکہ سے ہی جاری ہوئی ہو۔

سی این این پر 15 مئی کو اینکر ایبے فلپس ڈسکشن کا پروگرام لے کر آتی ہیں۔ اس کے سامنے پینل میں شامل تجزیہ کار اور مبصرین ایک ایسے طالب علم پر شدید تنقید کر رہے جس نے غزہ میں نسل کشی پر تنقید کی ہے۔ یہ تنقید اس لیے اہم ہوگئی اور سی این این نے اس کا نوٹس لیا کیوں کہ اس طالب علم نے لب کشائی اپنی گریجوایشن کے موقع پر کی تھی۔

یاد رہے کہ امریکہ اور مغرب میں بنجمن نیتن یاہو ایک ایسا ہیرو ہے جس نے غیر یہودیوں یا غیر صہیونیوں کی ایسی کی تیسی پھیر دی۔ اس پر بھی پھر کبھی بات کریں گے۔ اسرائیل کے اقدامات، جنگی جنون اور تباہی کے ایجنٹ کی حیثیت ایک حد تک ایران کے برستے

میزائیلوں نے یاد دلا دی ہے۔ امریکہ میں مختلف یونیورسٹیوں میں گریجوایشن تقریبات ہو رہی ہیں۔ ان کے لیے غزہ کے حق میں ہونے والے شدید احتجاج کے پیش نظر ایک ہدایت نامہ زیر لب گردش میں ہے کہ ایسے احتجاجیوں کو ''قابو میں رکھا جائے'' اور Contain کیا جائے۔ لیکن تب ساری احتیاط دھری کی دھری رہ جاتی ہے جب نمایاں پوزیشن لینے والا طالب علم اپنے ''جذبات کھول دیتا ہے:۔''

15 مئی کا پروگرام بھی ایسے ہی ایک طالب علم کے ''جذبات کے بہہ'' جانے پر تھا۔ اب بھوک کے ہتھیار سے مارے جانے اور نہتے فلسطینیوں پر بمباری کے معاملے پر کسی کو روکا جائے کہ وہ بات نہ کرے، اپنا غصہ نہ نکالے تو یہ کس طرح ہو؟

سی این این کی اینکر ایبے فلپس یا ابی گیل فلپس نے اس طالب علم کی تقریر پر بات کے لیے پینل میں کانگریس مین ڈیموکریٹ رکن جیریڈ موسکووٹز کو بھی بلایا ہوا تھا۔ جس طالب علم نے گستاخانہ تقریر میں غزہ میں نسل کشی کا معاملہ اٹھایا اور اسرائیل پر تنقید کی تھی، وہ لوگان روسوز تھے۔ یہ واقعہ نیویارک یونیورسٹی میں پیش آیا۔ لوگان نے کہا کہ اس نسل کشی میں امریکہ برابر کا شریک ہے۔

ایبے نے طالب علم لوگان سے سوال کیا کہ ابھی تک وہ کون سے لوگ ہیں جو تمہیں اس طرح اسرائیل، امریکہ، نیتن یاہو، جو بائیڈن وغیرہ پر تنقید کرنے کے لیے اکساتے رہے، اب مزید کون اور کتنے طالب علم ایسی تقریروں کے لیے مشتعل کیے جا رہے ہیں؟ اس نے یہ سوال بھی کیا کہ مشہور ہونے کا یہ آسان طریقہ اور کون کون اختیار کرنے والا ہے؟ رکن کانگریس جیریڈ موسکووٹز نے کہا کہ ''تقریر میں کی گئی ساری بات جھوٹ پر مبنی ہے۔'' یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ طالب علم نے اپنی ساری تقریر میں سچ ہی بولا تھا۔ رکن کانگریس نے سی این این پروگرام میں کہا کہ دوسری بات یہ ہے کہ تم نے (طالب علم کی طرف اشارہ کیا) جو کہا، وہ سننے والوں سے جھوٹ کہا۔ ''اسرائیل میں'' کسی قسم کی کوئی نسل کشی نہیں ہو رہی۔ وہاں ایک جنگ ہو رہی ہے جو کہ بدقسمتی ہے۔ وہاں کچھ لوگ ہیں جو غلط طور پر کام کر رہے ہیں۔ یہ سب حماس کر رہی ہے۔ وہاں کچھ صورت حال ضرور ایسی ہے جو میرے خیال میں درست ہونی چاہیے۔ جیسا کہ وہاں زیادہ خوراک جانی چاہیے۔ گویا رکن کانگریس اندھے نہیں تھے، وہ جانتے تھے کہ اہل غزہ کی خوراک روکی گئی ہے۔

یہ رکن کانگریس فلوریڈا ڈسٹرکٹ سے تھے۔ ''آخر میں انہوں نے کہا کہ یہ تو یونیورسٹی کا فرض بنتا تھا کہ وہ ایسے طالب علم کو ڈپلومہ دیتی بھی ہے یا نہیں۔ انہیں چاہیے کہ اسے اس کا ڈپلومہ دے ہی دے۔ یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ گڈ لک، تمہیں جاب تو مل ہی جائے گی۔ یہ بہت احمقانہ بات ہے۔ اس نے ساری تقریب برباد کر دی۔ ''پتہ نہیں، نہ جانے کتنے خاندان پریشان ہوئے ہوں گے۔'' گویا غزہ میں جاری نسل کشی سے خاندان کے خاندان مٹ گئے اور امریکہ میں کسی خاندان کو یہ زحمت نہ ہو کہ آپ کے ڈالر سے کمائے گئے میزائل سے کیا ہو گیا!

''کتنی غلاظت بھری ہے اس مؤقف میں کہ ایک طالب علم کی سچی بات کو جھٹلایا جا رہا ہے۔'' یہ بات انتھونی بہار نے سی این این کے اسی پروگرام پر تنقید کرتے ہوئے لکھی ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں: ''آپ کو گریجوایٹ بنتے ایک طالم علم پر یوں بے حد جھوٹی تنقید کرتے ذرہ شرم نہ آئی کہ آپ رکن کانگریس ہو کر ایسا کر رہے ہیں۔ آپ غزہ میں جاری خوف ناک قتل عام پر لب کشائی کی خود جرأت نہیں کر رہے۔''

''آپ کے طرز عمل سے 1950ء کے عشرے کی ڈیموکریٹ پارٹی کی جانب ذہن جاتا ہے۔ جب ایک ایسے ہی موقع پر ایک طالب علم جم کراؤن کی تجویز پر بات کر رہا تھا۔ ماسکووٹز اس طالب علم کی تقریر پر پولیس کا کردار ادا کر رہے تھے۔ ایسا ہی کچھ سی این این کے قدامت پرست سیاسی مبصر سکاٹ جیننگز نے کیا۔ وہ کہہ رہے۔ تھے کہ ''غزہ کا سارا ڈرامہ ایک Conspiracy Theory ہے۔ (اگرچہ وہ خود ایک سازشی خیال پیش کر رہے تھے) جب انہوں نے اتنا تو کہہ دیا کہ ہوسکتا ہے کہ غزہ میں کوئی نسل کشی ہو رہی ہو۔ شاید ایسا غزہ میں جنوبی افریقہ کے لوگوں کے ساتھ ہو رہا ہو۔'' الامان والحفیظ۔'' مغرب اور امریکہ کی اخلاقیات اور اصول پرستی کے گن گانے والوں کو اس شرم ناک طنز پر یوں ہونا چاہیے کہ:۔

خوشی سے مر نہ جائے اگر اعتبار ہوتا

جیننگز نے اخذ کیا:

"What this kid said is total, unconfirmed conspiracy Theory and i think he should not be using the platform because people believed".

لوگ اس پر اس لیے یقین کریں گے کیوں کہ ان کے پاس سی این این کے علاوہ خبروں کے قابل بھروسہ ذرائع اور بھی بہت سے ہیں۔ اور اس لیے کہ یہی سچ ہے۔

اور کیا ہی یونیورسٹی کا ایک ایسا پلیٹ فارم ہے۔ جہاں ایک طالب علم کو بھی یقین ہے کہ وہ جو کہے گا، وہ امریکہ سمیت دنیا بھر میں سنا جائے گا۔ جب میں گریجوایشن کی تقریب میں اسرائیلی فوج کے ذریعے ہونے والے بے پناہ ظلم کو بیان کروں گا تو سب سنیں گے۔

ماسکووٹز نے غزہ میں مزید خوراک کے بھیجے جانے کا ذکر کیا لیکن اس کانگریس مین کے لیے کوئی ترجیح والا معاملہ نہیں ہے۔ اسرائیل کے 19 ماہ سے زیادہ جنگی جرائم کے بعد بھی اسے حماس پر الزام لگانا یاد رہا کہ کیا ہوا، اس کی وجہ تو حماس ہی تھی۔ وہ جانتا ہے کہ اسرائیل غزہ کا قبضہ چھوڑے، نسل پرستی ترک کرے اور اسرائیل کے ہاتھوں انسانیت پر ہوتا ظلم ترک کرے۔ اس کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

بہتر ہوتا کہ وہ Canary Mission جیسا ردعمل دیتے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ مشن کیا ہے؟ یہ امریکہ کی تاریخ میں یہودیت (صیہونیت نہیں، اب تو وہ بھی ساتھ ہے) دشمنی یعنی Anti-Semitism کے جذبات رکھنے والوں اور امریکہ سے نفرت کرنے والوں کو ڈھونڈ کر تلاش کیا جاتا تھا، ہر ادارے اور تنظیم کے بارے میں ضرورت سے زیادہ تحقیقات کی جاتی تھیں کہ وہ کون ہے جو ایسے جذبات رکھتا ہے۔

ایسا ہی مشن اب شروع کیا جائے کہ غزہ میں نسل کشی پر کس کو یقین ہے۔ اس فہرست سے سب سے پہلے آپ کو برطانوی وزیر اعظم کیئر سٹارمر کو نکالنا ہوگا۔ جب یہ عمل پروگرام بن جائے پھر اسے استعمال کیا جائے تا کہ اسرائیل مخالفوں کو کھوج نکالا جائے۔ ٹرمپ نے تو یہ مہم شروع کر دی ہے۔ اب امریکہ جانے یا وہاں تعلیم حاصل کرنے والوں کو اپنا سوشل میڈیا اکاؤنٹ بھی کھولنا ہوگا تا کہ پتہ تو چلے کہ اس اکاؤنٹ پر امریکہ دشمن یا اسرائیل دشمن کوئی ہے تو کون ہے۔ کیا احمقانہ حرکت ہے لیکن خیال اچھا بھی ہے۔

یہ روسوز کے لیے اچھا موقع تو ہرگز نہیں ہے۔ اب وہ جاب حاصل نہ کر سکیں گے کیوں کہ انہوں نے اس ایکشن (نسل کشی) کو بے وقوفی قرار دے دیا ہے۔

موسکووٹز سے ای میل کے ذریعہ متعدد سوالات کیے گئے، لیکن انہوں نے کسی ایک کا جواب دینا بھی گوارا نہیں کیا۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیا وہ غزہ، مغربی کنارے، بیت

المقدس اور گولان کی پہاڑیوں کو اسرائیل کا اب بھی حصہ سمجھتے ہیں جو ان کے خیال میں نسل کشی اسرائیل میں ہو رہی ہے؟

ڈیموکریٹ پارٹی میں نسل کشی پر ایک ونگ ہے۔ موسکووٹز ڈیموکریٹ ہیں۔ انہوں نے اس سوال کا بھی جواب نہیں دیا کہ کیا امریکی ہتھیاروں کو استعمال کر کے اسرائیل جنگی جرائم کر رہا ہے؟

یہ سراسر اور نری منافقت ہے!

سی این این کے سیاسی مبصر وان جونز پہلے باراک اوباما کے لیے کام کرتے تھے۔ انہوں نے بھی رسوز کے بارے میں بات کی۔ انہیں معلوم ہوا کہ طالب علم نے جرأت کا کام کیا ہے۔ انہوں نے کہا:

''تم جو کچھ نہ کر سکے، وہ کہو۔ میں اپنی انتظامیہ سے جھوٹ بول رہا ہوں (ذہن میں لائیے کہ رسوز نے نسل کشی پر بات کرنے کی جرأت کی تھی)۔ ذرہ پھر بتائیے: ''میں آگ لگانے والے خیالات پیش کرنے لگا ہوں۔ میں اپنے ضمیر کے مطابق بات کرنے لگا ہوں۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ میرے ساتھ کچھ بھی برا نہ ہو۔ میں اپنے تمام کیک، تمام کوکیز، ساری کینڈیز لینا چاہتا تھا، چاہتا ہوں۔ لیکن ایسا ہو نہ سکا۔''

ایبے فلپس نے لقمہ دیا: ''ہم نے اس طالب علم کو تو ابھی تک سنا ہی نہیں۔ ہمیں معلوم ہی نہیں کہ شاید اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ جو کچھ کہنے لگا ہوں، اس کے نتائج بھی ہوں گے۔ آپ نے یہ دیکھا ہو شاید کہ تقریر کرتے ہوئے یہ شدید کانپ رہا تھا۔''

پھر وان جونز کے بولنے کی باری تھی جو معاملہ سنبھالنے کے لیے عموماً بولا کرتے ہیں۔ وہ اس بار تب بولے جب فلسطینی بات ہونے کی انہیں توقع تھی۔ وہ کہنے لگے:

''کچھ لوگ اس سے مختلف سوچتے ہیں، انہیں بولنے نہیں دیا جاتا۔ انہیں یہ اجازت نہیں دی گئی کہ وہ بتائیں کہ انہیں کیسی اور کتنی تکلیف ہوئی تھی جب 7 اکتوبر کا واقعہ رونما ہوا تھا۔ اب بھی وہ راکٹ فائر ہو رہے ہیں۔''

یہ تھا وہ سچ جو سی این این کے سیاسی مبصر نے بولا۔ انہیں شاید معلوم نہیں ہو سکا کہ سی این این میں بیٹھے فلسطینی مہمان کس قدر منجمد ہو گئے تھے۔

اسرائیلی آوازیں تو مسلسل آ رہی تھیں۔ پیہم آ رہی ہیں۔ اسرائیلی جتنے بھی مارے گئے یا یرغمال بنائے گئے، ان کے نام سی این این پر بھی آ رہے ہیں، ان کی تصویریں دکھائی جا رہی ہیں۔ ان کے بارے میں دیومالائی قصے بنائے جا رہے ہیں، لیکن کتنے فلسطینیوں کے بارے میں یہ سب ہو رہا ہے۔ شاید اس لیے نہیں کہ وہ دس بیس، سو پچاس، ہزار، دس ہزار نہیں، 60 ہزار ہیں۔

پھر تابوت کے کیل کی طرح جونز نے بتایا کہ اس نے حال ہی میں ''ہولی لینڈ'' کا سفر کیا۔ وہاں اب بھی غزہ سے اور غزہ میں سے راکٹ فائر ہو رہے تھے۔ یمن سے فائر ہو رہے تھے۔ لیکن ہولی لینڈ کے لوگوں کو تو بولنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔

پھر جونز نے ''مصدقہ باتیں'' چھیڑ دیں۔ اس نے بتایا کہ وہ افلاطون کی بائیں جانب بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر انہوں نے غزہ یا یمن سے آنے والے نایاب راکٹ کے بارے میں بتانا شروع کیا۔ یہ نایاب اس لیے تھا کیوں کہ غزہ یا یمن سے راکٹ برسنا بند ہو گئے تھے۔ اس کی وجہ جونز کے مطابق تھی کہ فلسطینیوں کو سبق سکھا دیا گیا تھا۔ انہوں نے سی این این دیکھنے والوں کو کچھ نہیں بتایا کہ ان گنہ گار فلسطینیوں کا کیا بنا جن کو امریکی ہتھیاروں سے اسرائیلی فوج نے واقعی ایسا سبق سکھایا کہ وہ مزید ''کچھ بھی سیکھنے'' کے قابل ہی نہیں چھوڑے گئے۔

جونز کے ''ہولی لینڈز'' کے دورے کے بارے میں صحافیوں نے ہمیں بتایا کہ اس دورے میں ضرور یہ بتایا کہ یہ صاحب وہاں امریکی سفیر مائیک حکابی کے ساتھ پیتے پلاتے رہے۔ یہ دونوں باہم ''ہم نوالہ و ہم پیالہ'' تھے۔ مائیک حکابی نے اپنے ٹویٹ میں لکھا کہ یہ دونوں افراد ایک دوسرے سے متفق نہ تھے لیکن دونوں کو یہ اتفاق تھا کہ یہ وقت اسرائیل کو سپورٹ کرنے کا ہے۔ یہ جانتے تھے کہ اسرائیل نسل پرست حکومت ہے جو غزہ اور مغربی کنارے میں فلسطینیوں کی نسل کشی کر رہی ہے۔ صرف دو ہفتوں بعد ہی حکابی نے غزہ میں فلسطینیوں کے خلاف یہ مؤقف بیان کرنا شروع کر دیا کہ ایسا کچھ نہیں ہے۔ انہوں نے ہتک آمیز انداز میں ان کا ذکر کرنا شروع کر دیا اور وہ ان کے کسی بھی طرح کے حقوق تسلیم کرنے پر بھی ہرگز آمادہ نہ تھے۔ انہوں نے یہاں تک ایک موقع پر کہہ دیا کہ ''حقیقت میں فلسطینی نام کے کوئی لوگ موجود ہی نہیں ہیں۔'' انہوں نے ایک مرتبہ سی این این کو بتایا: ''مغربی کنارے نام کا کوئی علاقہ موجود نہیں ہے۔ یہ تو جودیہ اور سماریہ ہیں۔ (یاد رہے کہ یہ اسرائیلی مؤقف ہے جو امریکی سفیر حکابی بیان کر رہے ہیں) ''یہودی بستیاں'' یا سیٹلرز نام کا کچھ بھی یہاں نہیں ہے۔ وہ تو اسرائیل کے شہر اور قصبے ہیں۔ ''قبضہ'' بھی ان کے نزدیک کہیں نہیں، سب جھوٹ ہے۔

ہم نے قدرے تفصیل سے سی این این پر کرنٹ افیئرز کے اہم پروگرام کا حال بیان کیا ہے۔ یہ ایک پروگرام کا حال ہے۔ ہر پروگرام سی این این کے مہمانوں اور پینل ارکان کے حوالے سے اسی طرح اسرائیل کا مقدمہ پیش کرتا ہے۔ [اس جائزہ کی ترتیب و تدوین مختلف امریکی رپورٹوں اور تجزیہ نگاروں کے لکھے متفرق مواد سے کی گئی]

پس پردہ: تیمور حسن

صہیونی فاشزم کی بنیادیں: وائٹ ہاؤس کے اندر ہیں

یہ سوال بار بار بہت سے ذہنوں میں کلبلاتا ہے کہ صہیونیت کیا چاہتی ہے؟ اس سوال اور اس کے جواب کو جاننا اور سمجھنا ضروری ہے۔ ہزاروں فلسطینیوں کو قتل کرنے والا بنیامین نیتن یاہو اہل مغرب کا ہیرو قرار دیا جا رہا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ انبیاء کرام سے سراسر غداری کرنے والے آج یہ دعویٰ بڑی ڈھٹائی سے کہہ رہے ہیں کہ یہ اسرائیل یہ ”مقدس سرزمین“ ہمیں خدا نے دی ہے، یہ انبیاء کا تحفہ ہے۔ اسے غیر یہودیوں سے پاک کرنا ہمارا مشن ہے۔ اس سوال اور منطق کا صحیح جواب تو قرآن پاک نے دیا ہے۔ ابھی ہم خود اسرائیلیوں سے جاننا چاہیں گے کہ وہ کیا ہیں، کیا کر رہے ہیں، ہزاروں انسانوں کا قاتل ان کا ہیرو کس طرح ہے؟ مائیکل ایف براؤن نے 4 جون کو Power Suits میں لکھا ہے: ”فاشسٹ اسرائیل کی تنظیم (Im Tirzu) نے گزشتہ ہفتے کی منگل کو ایک بڑا سائن نکالا جس پر لکھا تھا "No Victory without Nakaba" یعنی جب تک نکبہ نہیں ہوگا، فتح بھی نہیں ہوگی۔“ یہ سائن بیت المقدس (مقبوضہ) میں ایک بڑے مذہبی قوم پرست دن ”فلیگ مارچ ڈے“ کے حوالے سے تیار کیا گیا۔ اسرائیل کے اخبار ہارتز نے اس کی رپورٹ شائع کی اور اسے ”سالانہ ریاست کی منظوری اور تعاون سے ہونے والا پروگرام قرار دیا۔

اسی اخبار کے ایک اور آرٹیکل کے حوالے سے مائیکل براؤن نے لکھا: ”اس نئے سال اس میں تازہ گانے اور سلوگن شامل کیے گئے۔ مثلاً: ”غزہ میں کوئی سکول نہیں“، ”غزہ میں کوئی بچے بھی نہیں“ (گویا ان کے علم میں ہے کہ بچے تو قتل کر دیے گئے ہیں۔ پھر ”اسرائیل کی فوج اب سارے عربوں کی۔۔۔۔“ یہ لفظ لکھا نہیں جا سکتا۔ یہ ایک گالی ہے۔ اگلا مطالبہ: ”غزہ کو چٹیل میدان بنا دو“ بعد میں امریکہ کے سینیٹر لنڈ سے گراھم نے ایک بیان میں کہا: Level The Place۔ یہ زبان کسی نئے نکبہ کے لیے بولی جا رہی ہے۔ یہ تاریخ کے اس نکبہ کی طرف اشارہ ہے جو فلسطینیوں پر اسرائیل کی ناجائز ریاست کے قیام کے وقت توڑی گئی اور اس میں آٹھ لاکھ فلسطینی صفحۂ ہستی سے مٹا دیے گئے۔

فلیگ مارچ ڈے کا ایک روایتی نعرہ جو ہر سال لکھا، بولا اور لگایا جاتا ہے، وہ ہے: ”عرب مردہ باد“، تمہارے گاؤں جل جائیں۔“ یہ نسل کشی کے سرعام مطالبات ہیں۔ ان کے ساتھ اسرائیل نے غزہ میں فلسطینیوں یعنی عربوں کی نسل کشی کی ہے اور کر رہا ہے۔

میزائیلوں نے یاد دلادی ہے۔ امریکہ میں مختلف یونیورسٹیوں میں گریجوایشن تقریبات ہورہی ہیں۔ ان کے لیے غزہ کے حق میں ہونے والے شدید احتجاج کے پیش نظر ایک ہدایت نامہ زیر لب گردش میں ہے کہ ایسے احتجاجیوں کو ''قابو میں رکھا جائے'' اور Contain کیا جائے۔ لیکن تب ساری احتیاط دھری کی دھری رہ جاتی ہے جب نمایاں پوزیشن لینے والا طالب علم اپنے ''جذبات کھول دیتا ہے:۔''

15 مئی کا پروگرام بھی ایسے ہی ایک طالب علم کے ''جذبات کے بہہ'' جانے پر تھا۔ اب بھوک کے ہتھیار سے مارے جانے اور نہتے فلسطینیوں پر بمباری کے معاملے پر کسی کو روکا جائے کہ وہ بات نہ کرے، اپنا غصہ نہ نکالے تو یہ کس طرح ہو؟

سی این این کی اینکر ایبے فلپس یا ابی گیل فلپس نے اس طالب علم کی تقریر پر بات کے لیے پینل میں کانگریس مین ڈیموکریٹ رکن جیریڈ موسکووٹز کو بھی بلایا ہوا تھا۔ جس طالب علم نے گستاخانہ تقریر میں غزہ میں نسل کشی کا معاملہ اٹھایا اور اسرائیل پر تنقید کی تھی، وہ لوگان روسوز تھے۔ یہ واقعہ نیویارک یونیورسٹی میں پیش آیا۔ لوگان نے کہا کہ اس نسل کشی میں امریکہ برابر کا شریک ہے۔

ایبے نے طالب علم لوگان سے سوال کیا کہ ابھی تک وہ کون سے لوگ ہیں جو تمہیں اس طرح اسرائیل، امریکہ، نیتن یاہو، جو بائیڈن وغیرہ پر تنقید کرنے کے لیے اکساتے رہے، اب مزید کون اور کتنے طالب علم ایسی تقریروں کے لیے مشتعل کیے جارہے ہیں؟ اس نے یہ سوال بھی کیا کہ مشہور ہونے کا یہ آسان طریقہ اور کون کون اختیار کرنے والا ہے؟ رکن کانگریس جیریڈ موسکووٹز نے کہا کہ ''تقریر میں کی گئی ساری بات جھوٹ پر مبنی ہے۔'' یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ طالب علم نے اپنی ساری تقریر میں سچ ہی بولا تھا۔ رکن کانگریس نے سی این این پروگرام میں کہا کہ دوسری بات یہ ہے کہ تم نے (طالب علم کی طرف اشارہ کیا) جو کہا، وہ سننے والوں سے جھوٹ کہا۔ ''اسرائیل میں'' کسی قسم کی کوئی نسل کشی نہیں ہو رہی۔ وہاں ایک جنگ ہورہی ہے جو کہ بدقسمتی ہے۔ وہاں کچھ لوگ ہیں جو غلط طور پر کام کررہے ہیں۔ یہ سب حماس کررہی ہے۔ وہاں کچھ صورت حال ضرور ایسی ہے جو میرے خیال میں درست ہونی چاہیے۔ جیسا کہ وہاں زیادہ خوراک جانی چاہیے۔ گویا رکن کانگریس اندھے نہیں تھے، وہ جانتے تھے کہ اہل غزہ کی خوراک روکی گئی ہے۔

یہ رکن کانگریس فلوریڈا ڈسٹرکٹ سے تھے۔ ''آخر میں انہوں نے کہا کہ یہ تو یونیورسٹی کا فرض بنتا تھا کہ وہ ایسے طالب علم کو ڈپلومہ دیتی بھی ہے یا نہیں۔ انہیں چاہیے کہ اسے اس کا ڈپلومہ دے ہی دے۔ یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ گڈ لک، تمہیں جاب تو مل ہی جائے گی۔ یہ بہت احمقانہ بات ہے۔ اس نے ساری تقریب برباد کردی۔ ''پتہ نہیں، نہ جانے کتنے خاندان پریشان ہوئے ہوں گے۔'' گویا غزہ میں جاری نسل کشی سے خاندان کے خاندان مٹ گئے اور امریکہ میں کسی خاندان کو یہ زحمت نہ ہو کہ آپ کے ڈالر سے کمائے گئے میزائل سے کیا ہوگیا!

''کتنی غلاظت بھری ہے اس مؤقف میں کہ ایک طالب علم کی سچی بات کو جھٹلایا جارہا ہے۔'' یہ بات انتھونی بہار نے سی این این کے اسی پروگرام پر تنقید کرتے ہوئے لکھی ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں: ''آپ کو گریجوایٹ بنتے ایک طالم علم پر یوں بے حد جھوٹی تنقید کرتے ذرہ شرم نہ آئی کہ آپ رکن کانگریس ہو کر ایسا کررہے ہیں۔ آپ غزہ میں جاری خوف ناک قتل عام پر لب کشائی کی خود جرأت نہیں کررہے۔''

''آپ کے طرزعمل سے 1950ء کے عشرے کی ڈیموکریٹ پارٹی کی جانب ذہن جاتا ہے۔ جب ایک ایسے ہی موقع پر ایک طالب علم جم کراؤن کی تجویز پر بات کررہا تھا۔ ماسکووٹز اس طالب علم کی تقریر پر پولیس کا کردار ادا کررہے تھے۔ ایسا ہی کچھ سی این این کے قدامت پرست سیاسی مبصر سکاٹ جیننگز نے کیا۔ وہ کہہ رہے۔ تھے کہ ''غزہ کا سارا ڈرامہ ایک Conspiracy Theory ہے۔ (اگرچہ وہ خود ایک سازشی خیال پیش کررہے تھے) جب انہوں نے اتنا تو کہہ دیا کہ ہوسکتا ہے کہ غزہ میں کوئی نسل کشی ہو رہی ہو۔ شاید ایسا غزہ میں جنوبی افریقہ کے لوگوں کے ساتھ ہو رہا ہو۔'' الامان والحفیظ۔'' مغرب اور امریکہ کی اخلاقیات اور اصول پرستی کے گن گانے والوں کو اس شرم ناک طنز پر یوں ہونا چاہیے کہ:۔

خوشی سے مرنہ جائے اگر اعتبار ہوتا

جیننگز نے اخذ کیا:

"What this kid said is total, unconfirmed conspiracy Theory and i think he should not be using the platform because people believed".

لوگ اس پر اس لیے یقین کریں گے کیوں کہ ان کے پاس سی این این کے علاوہ خبروں کے قابل بھروسہ ذرائع اور بھی بہت سے ہیں۔ اور اس لیے کہ یہی سچ ہے۔

اور کیا ہی یونیورسٹی کا ایک ایسا پلیٹ فارم ہے۔ جہاں ایک طالب علم کو بھی یقین ہے کہ وہ جو کہے گا، وہ امریکہ سمیت دنیا بھر میں سنا جائے گا۔ جب میں گریجوایشن کی تقریب میں اسرائیلی فوج کے ذریعے ہونے والے بے پناہ ظلم کو بیان کروں گا تو سب سنیں گے۔

ماسکووٹز نے غزہ میں مزید خوراک کے بھیجے جانے کا ذکر کیا لیکن اس کانگریس مین کے لیے کوئی ترجیح والا معاملہ نہیں ہے۔ اسرائیل کے 19 ماہ سے زیادہ جنگی جرائم کے بعد بھی اسے حماس پر الزام لگانا یاد رہا کہ کیا ہوا، اس کی وجہ تو حماس ہی تھی۔ وہ جانتا ہے کہ اسرائیل غزہ کا قبضہ چھوڑے، نسل پرستی ترک کرے اور اسرائیل کے ہاتھوں انسانیت پر ہوتا ظلم ترک کرے۔ اس کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

بہتر ہوتا کہ وہ Canary Mission جیسا ردعمل دیتے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ مشن کیا ہے؟ یہ امریکہ کی تاریخ میں یہودیت (صہیونیت نہیں، اب تو وہ بھی ساتھ ہے) دشمنی یعنی Anti-Semitism کے جذبات رکھنے والوں اور امریکہ سے نفرت کرنے والوں کو ڈھونڈ کر تلاش کیا جاتا تھا، ہر ادارے اور تنظیم کے بارے میں ضرورت سے زیادہ تحقیقات کی جاتی تھیں کہ وہ کون ہے جو ایسے جذبات رکھتا ہے۔

ایسا ہی مشن اب شروع کیا جائے کہ غزہ میں نسل کشی پر کس کو یقین ہے۔ اس فہرست سے سب سے پہلے آپ کو برطانوی وزیراعظم کیئر سٹارمر کو نکالنا ہوگا۔ جب یہ عمل پروگرام بن جائے پھر اسے استعمال کیا جائے تاکہ اسرائیل مخالفوں کو کھوج نکالا جائے۔ ٹرمپ نے تو یہ مہم شروع کردی ہے۔ اب مریکہ جانے یا وہاں تعلیم حاصل کرنے والوں کو اپنا سوشل میڈیا اکاؤنٹ بھی کھولنا ہوگا تاکہ پتہ تو چلے کہ اس اکاؤنٹ پر امریکہ دشمن یا اسرائیل دشمن کوئی ہے تو کون ہے۔ کیا احمقانہ حرکت ہے لیکن خیال اچھا بھی ہے۔

یہ روسوز کے لیے اچھا موقع تو ہرگز نہیں ہے۔ اب وہ جاب حاصل نہ کرسکیں گے کیوں کہ انہوں نے اس ایکشن (نسل کشی) کو بے وقوفی قرار دے دیا ہے۔

موسکووٹز سے ای میل کے ذریعہ متعدد سوالات کیے گئے، لیکن انہوں نے کسی ایک کا جواب دینا بھی گوارا نہیں کیا۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیا وہ غزہ، مغربی کنارے، بیت

بالکل آغاز میں ہی لکھتے ہیں:

’’نسلی صفائی اور قبضے کی طویل تاریخ میں اسرائیل کے ہتھکنڈے ہمیشہ ایک سے ہی رہے: جھوٹ، انکار اور سچ کو مسخ کرنا۔ عام طور پر مغربی قوتوں کے ساتھ شامل رہنے میں ہی اس نے یہ سب کیا ہے۔‘‘

اسرائیل نے جھوٹ بولنے کو باقاعدہ آرٹ کا درجہ دے دیا ہے۔ گزشتہ کئی عشروں میں اس نے جھوٹ اور کذب بیانی میں مہارت حاصل کی ہے۔ کسی استثنیٰ کے بناء، گلوبل میڈیا کے باسہولت تعاون سے اس نے جھوٹ کو بلند آہنگ اور سفارت کاری میں باکمال صلاحیت کا فن بنا دیا ہے۔‘‘

یہاں چند ثانیے کے لیے ایک سوال کا جواب آپ بھی خوب سوچ رکھیے کہ کیا انبیاء کرام کے وارث جھوٹ بولتے ہیں۔ اب آگے چلتے ہوئے مائیکل براؤن کا مختصر تجزیہ اور رپورٹ ضرور ذہن میں رکھیے جو شروع میں آپ پڑھ آئے ہیں۔ جمال لکھتے ہیں:

’’غذا کی تقسیم کے لیے ہونے والا دردناک قتل عام غزہ میں اس جھوٹ کا ایک بیمار ذہن کا کام ہے اور سخت تکلیف دہ واقعہ ہے (جو مسلسل جاری ہے اور عالم اسلام سمیت عالم تمام کے لیے کوئی واقعہ ہی نہیں ہے۔ یہ سطور لکھنے تک 500 فلسطینی شہید اور ہزاروں زخمی کیے جا چکے ہیں)۔ یہ یکم جون 2025ء کو اتوار کے دن صبح کاذب کے اوقات میں خوراک کے لیے رفاہ گئے فلسطینی گولیوں سے بھون دیے گئے۔ حسب سابق اسرائیل نے ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا کہ امریکی کمان میں اس کے مرکز کے پاس خوراک تقسیم ہوتے ہوئے جو کچھ ہوا، اسرائیلی فوج لاعلم ہے کہ اس کا ذمہ دار کون ہے۔‘‘

لیکن عینی شاہدین، زندہ بچ رہنے والے، کام کرنے والی تنظیمیں اور ہسپتال بالکل متضاد سٹوری بیان کرتے ہیں۔

جمال مزید لکھتے ہیں:

اسرائیل کے انکار کی بازگشت ہر طرف فوراً ہی سنائی دے گئی۔ امریکی حکام اس کے دفاع کے لیے بھی حاضر ہو گئے۔ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ (واشنگٹن نے آناً فاناً اسرائیل میں اپنے سفیر (مائیک حکابی) کے ذریعے حقیقت حال بیان کر دی۔۔۔ کہا گیا کہ یہ کوئی قتل عام نہیں ہوا۔ اس بارے میں رپورٹس جھوٹی ہیں۔ یہ داستان گوئی جانی پہچانی ہے۔ ایسا ہی بیان 29 فروری 2024ء کو بھی جاری کیا گیا جو فلور مسا کر یعنی ’’آٹے پر قتل عام‘‘ کے عنوان سے بہت مشہور ہوا۔ اس قتل عام میں 112 فلسطینی شہید اور 760 سے زیادہ زخمی کیے گئے۔

پھر اسرائیل نے ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کہا گیا کہ یہ ساری اموات دھکم پیل سے ہوئیں۔ امدادی ٹرک فلسطینیوں پر چڑھ دوڑے۔ اقوام متحدہ اور دیگر میڈیا بشمول الجزیرہ نے کہا کہ یہ سیدھی سی ڈس اور مس انفارمیشن اسرائیل پھیلا رہا ہے۔ ان میڈیا آؤٹ پٹس نے واقعہ کی ویڈیوز چلائیں جن میں اسرائیلی فوجی بے دریغ فائرنگ کر رہے تھے۔ کسی سے بھی پوچھ گچھ نہیں کی گئی۔

غزہ میں صرف خوراک کی تقسیم کی سائیٹس ہی نہیں ہیں جو موت کے پھندے بن گئی ہیں، ایمبولینسیں بھی موت کا ہدف بن گئی ہیں۔ پہلے امداد کو پہنچنے والے، ڈاکٹرز اور حتیٰ کہ بچے بھی فوج کے ’’جائز ہدف‘‘ قرار پا چکے ہیں۔

گزشتہ سے پیوستہ ہفتے اسرائیلی قابض فوج نے ڈاکٹر النجار کے گھر اور گھرانے کو ہدف بنا لیا۔ ان کے 9 بچے شہید کر دیے گئے۔ ان میں 12 سالہ یحییٰ، نو سالہ حوا، 5 سالہ ریال، 3 سالہ سعدین، 10 سالہ رکان، 7 سالہ رسلان، 8 سالہ جیران، 2 سالہ لقمان اور ایک سال سے بھی کم عمر سیدار شہید کیے گئے۔ ڈاکٹر اعلیٰ النجار کے شوہر حامدی النجار بھی زخمی کیے گئے جو بعد ازاں شہید ہو گئے۔ پہلے پہنچنے والے ڈاکٹر اور معصوم بچے سب نشانے پر رکھ لیے گئے اور شہید کر دیے گئے۔ ان کے دس سالہ بچے اور گیارہ سال کی آدمہ کو سروں میں بلٹ لگیں۔ ان کا بچ رہنا بھی معجزہ ہوگا۔

مارچ میں اسرائیل کی قابض فوج نے آٹھ ڈاکٹر، 6 شہری دفاع کے ارکان اور اقوام متحدہ کے ایک کارکن بلا اشتعال قتل کر دیا۔ پھر ان کو ریت کھود کر دفن کر دیا۔ فوج نے بعد میں یہ کہہ دیا کہ ایک ایمبولینس کو مشکوک حالت میں دیکھ کر کارروائی کی گئی۔ اسے ایک ’’غلط فہمی‘‘ قرار دے کر معاملہ داخل دفتر کر دیا گیا۔ 15 انسانوں کے قتل کو غلط فہمی قرار دے دیا گیا۔

اکتوبر 2023ء میں الاھلی عرب ہسپتال میں 500 فلسطینی مار دیے گئے۔ اسرائیل نے فوراً کہا کہ ایک راکٹ کسی نے غالباً غلطی سے چلا دیا تھا۔ اس کے گرنے کے مبینہ واقعہ کے چند ہی گھنٹوں بعد صدر جو بائیڈن نے طوطے کی مانند اسرائیلی مؤقف پیش کر دیا۔

فلسطینی امریکی خاتون صحافی شیریں ابولاکلح کو 2022ء میں گولی ماردی گئی۔

اب غزہ کے لوگوں کو بھوک کے ہتھیار سے مارا جا رہا ہے۔ وہ انٹرنیٹ پر سوشل سائنس پر جس کو جہاں دسترس ملتی ہے، کھانے پینے کو مانگ رہا ہے، درخواست کر رہا ہے، کہہ رہا ہے کہ میری مدد نہ کی تو مرنا تو مجھے ہے لیکن میں اللہ کے سامنے جا کر تمہاری شکایت لگاؤں گا۔

اسرائیل کا فاشزم اس کے جھوٹ کے ساتھ دنیا کے سامنے ہے۔ یہ سب امریکہ اور مغربی قوتوں کی نگرانی اور اشیر باد سے ہو رہا ہے۔ اسرائیل کے جھوٹے بیانیے مثال بن رہے ہیں۔ لیکن یہ سب صاف دکھائی دے رہا ہے کہ اسرائیل کی قاتل مشین رکنے والی نہیں، اس لیے اسے روکنے والا کوئی نہیں۔ اسرائیلیوں کو امکانات دکھائی دے رہے ہیں کہ وہ جلد ہی مسجد اقصیٰ کو شہید اور ہیکل سلیمانی تعمیر کر لیں گے۔

جائزہ / رُبی مَیسُون

ایران میں رجیم چینج: تل ابیب میں حکومت تبدیل کر دے گی؟

اسرائیل کے بڑوں، بہ شمول امریکہ اور مغرب کے اتحادی، کا یہ ماننا ہے کہ وہ مشرق وسطیٰ میں اس ''چھوٹے'' کے ذریعہ جب اور جہاں چاہیں اور جو چاہیں، کروا سکتے ہیں۔ بنیامین نیتن یاہو جب غزہ پر بمباری کرتا ہے تو وہ اسے سامان جنگ وافر مقدار میں فراہم کرتے ہیں۔ وہ یہ سوچ کر یہ سارے کام کرتا ہے کہ وہ اپنے اقتدار کو دوام دینے کے ساتھ عربوں کو محدود رکھنے اور اسرائیل کو پھیلنے کے لیے ''ماحول'' بناتا ہے۔ وہ لبنان پر حملے کرے، شام میں بفرزون بنائے، پاکستان کے ایٹمی پروگرام پر حملہ آور ہو، تو معاملہ خراب بھی ہو جائے تو امریکہ آ کر سنبھال لے گا۔

اسی خیال کے تحت اس نے ''ریجنل پاور'' بننے کے خواب اور اپنے بڑوں کے لیے خلیج فارس اور آبنائے ہرمز پر حکمرانی کے مغربی خواب کو پورا کرنے کے لیے 13 جون کو ایران کے جوہری پروگرام پر حملہ کر دیا۔ اس سے پہلے جب پاکستان اور بھارت کے درمیان مختصر سی جنگ ہوئی تو اسرائیل اور امریکہ کے طیارے بھارت کے ہوائی اڈوں پر پاک سرحد کے ساتھ ساتھ اڈوں پر موجود رہے۔ ایک اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بھارت کو معمولی غلبہ بھی ملتا تو پاکستان کے نہ صرف ایٹمی پروگرام پر حملہ ہو سکتا تھا بلکہ ڈیگو گارشیا سے بی باون طیارے بھی حملہ کر سکتے تھے۔ لیکن بھارت پہلی کوشش میں ہار گیا اور طیاروں کو واپس جانا پڑا۔

اسرائیل نے جون کے وسط میں ایران کے ایٹمی پروگرام پر حملہ کر دیا۔ وہ اسے تباہ تو نہ کر سکا تاہم بہت اہم شخصیات سے ایران کو محروم کر دیا۔ یہ بلا شبہ جارحیت تھی، غیر قانونی تھی اور ناکام تھی۔ ایران نے کوئی اشتعال انگیز کارروائی بھی نہیں کی تھی۔ ممکن ہے کہ یہ کارروائی اسرائیل نے امریکہ اور مغرب کے لیے کی ہو اور اسے ایسا کرنے کے لیے کہا گیا ہو۔ یہ مقصد تو بہر حال تھا کہ اس خطے میں غزہ سے توجہ ہٹانے کے لیے جنگ چھیڑی جائے۔ اگر یہ بھی کوئی آئیڈیا تھا، خواہ کسی طرف سے تھا، بہت فضول آئیڈیا ثابت ہوا۔

پھر اس سے ہٹ کر ایک اور ڈول ڈالا گیا کہ ایران میں رجیم چینج کرائی جائے۔ بنیامین نیتن یاہو میڈیا سکرینوں پر نمودار ہوئے اور کہا کہ تہران میں رجیم چینج کرائیں گے۔ آیت اللہ حکومت گرائیں گے، علی خامنہ ای کو ہدف بنائیں گے۔ یہ ایک مقصد نہیں تھا۔ یہ بیک وقت کئی ایک مقاصد تھے۔

مبصرین اور عسکری ماہرین تقریباً اس پر متفق تھے کہ امریکہ اور اسرائیل ایران میں فوجی کارروائی کر کے رجیم چینج کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ لیکن پھر ایسی صورت حال اس سے جنم لے گی جس کا کسی نے خواب بھی نہیں دیکھا ہو گا۔ ممکن ہے کہ خطے میں اسرائیل سمیت کئی ایک پراکسی حکومتیں بھی تبدیلی کی طرف چل پڑیں اور عوامی ردعمل شدید ہو جائے۔

کچھ حلقوں کا خیال تھا کہ ایران میں ''کچھ کرنے'' کا خیال جو بائیڈن دور سے چل رہا تھا۔ اسرائیل کو خطرہ تھا تو ایران سے تھا ورنہ کئی عرب ممالک تو ابراہام معاہدوں اور دو ایک ملک خود اس سے الگ بھی اسرائیل سے رابطے بنا چکے تھے۔ صرف ایران رہ گیا تھا جو کسی ایک موقع پر بہت اہمیت اختیار کر جاتا، جتنی اسے اب حاصل ہے۔

جب اسرائیل نے تقریباً ایک ناکام تو نہیں کہا جا سکتا، البتہ نامکمل حملہ ایران کے ایٹمی پروگرام پر کر دیا تو نہ معلوم وجوہ پر ایران نے ائیر ڈیفنس کو فعال نہیں کیا۔ اس کا اسے نقصان اٹھانا پڑا۔ لیکن جرنیلوں اور ایٹمی سائنس دانوں کی شہادت نے ایران کو متحارب طرف جانے پر مجبور کر دیا۔

امریکہ نے یہ پوزیشن لے لی کہ وہ رجیم چینج نہیں چاہتا۔ وہ صرف ایٹمی پروگرام کا خاتمہ چاہتا ہے۔ گویا اس نے اسرائیل کو ایران کے میزائیلوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ ایران کے جوابی حملوں نے اسرائیل کو چھ دنوں میں ہی ادھیڑ کر رکھ دیا۔

اس دوران میں ٹرمپ اور نیتن یاہو میں نورا کشتی جاری رہی اور زمین ایران کے ایٹمی پروگرام پر امریکی حملے کے لیے ہموار کی جاتی رہی۔ ایران کے بارے میں امریکہ کے تھنک ٹینک، بالخصوص واشنگٹن ڈی سی میں جنگی جنون میں مبتلا تھنک ٹینک ایران کو کمزور ثابت کرتے رہے۔

بعض مبصرین اس خیال کے حامی تھے کہ امریکہ صرف ایران کے ایٹمی پروگرام پر حملہ کرے تاکہ بعد میں ایران اور اسرائیل میں جاری جنگ کے طویل ہونے کا انتظار کیا جائے۔ ان کے خیال میں ایران اس قدر کمزور تھا کہ وہ اسرائیل کے ہی حملوں کو برداشت نہ کر پائے گا۔ لیکن امریکہ کے یہ دماغ ایران نے ناکام اور منجمد کر دیے۔ ایران نے مسلسل حملوں سے آئرن ڈوم کو ناکام بنا کر اسرائیل کے مرکزی اثاثوں کو تباہ کرنا شروع کر دیا۔ اس نے حیفا، تل ابیب سمیت اہم شہروں کو ادھیڑ دیا۔

ادھر یہ پروپیگنڈہ جاری تھا کہ بنیامین نیتن یاہو چاہتا ہے کہ امریکہ اس جنگ میں کودے۔ اصل میں امریکہ اس جنگ میں محدود شمولیت کر کے ایران کے ایٹمی اثاثوں کو تباہ کر دے۔ ایک طرف جنگ ختم کرانے کی باتیں چل رہی تھیں اور دوسری طرف امریکہ ایران کے ایٹمی پروگرام پر حملہ کرنے کے لیے سامان ڈیگو گارشیا جمع کر رہا تھا۔

جب امریکہ نے حملہ کیا تو اس قدر پروپیگنڈہ ہو چکا تھا کہ امریکہ کو جنگ میں شامل کرنے کی اسرائیل بار بار دعوت دے رہا ہے۔ امریکہ کو دعوت کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اس کا پلا ہوا اسرائیل ناکام ہو رہا تھا۔ ایران کے میزائیلوں کی بہر حال دھوم تھی۔

پھر اچانک جنگ بند ہو گئی۔ قطر نے ''ثالثی'' کی اور دوسروں نے تعاون کیا۔ اب ایران کہہ رہا ہے کہ ہمارے ایٹمی پروگرام کو کچھ نہیں ہوا۔ امریکہ اور اسرائیل اس سے بالکل مختلف بات کر رہے ہیں۔

اب این پی ٹی کا داخلہ ایران میں فی الحال ممکن نہیں۔ ایران کی سودے بازی کی پوزیشن مضبوط ہے۔ کون جنگ جیتا، کون ہارا، یہ فیصلہ ابھی نہیں ہو سکتا۔ البتہ اس مختصر جنگ کے نقصانات دونوں طرف بہت بڑے ہیں۔

تنہا مجاہد کی تباہ کن کارروائی

اسرائیلی فوج نے خود اعتراف کیا ہے کہ خان یونس میں گھات حملہ ایک ہی مجاہد نے تنہا سرانجام دیا۔ ابتدائی تحقیق کے حوالے سے عبرانی چینل 13 نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ خان یونس میں ہونے والا گھات حملہ، جس کے نتیجے میں سات اسرائیلی فوجی ہلاک بلکہ جل کر کوئلہ بنے، صرف ایک مجاہد نے انجام دیا۔ اس نے نہایت پھرتی اور مہارت کے ساتھ اپنے بم کو اسرائیلی بکتر بند گاڑی کے اندر تک پہنچانے میں کامیابی حاصل کی۔ اس کے بعد وہ اس علاقے سے، جو فوجیوں سے بھرا ہوا تھا، اس طرح واپس چلا گیا کہ کوئی اسے محسوس بھی نہ کر سکا۔

بلاشبہ مجاہدین کی بہادری کی جتنی داستانیں اب تک سامنے آئی ہیں، یہ ان میں سرفہرست ہے۔ جرات و بہادری کی اس لازوال داستان کی ویڈیو بھی کچھ دیر قبل جاری ہوئی ہے۔

واضح رہے کہ اس کارروائی نے اسرائیل میں جشن فتح کو قومی سوگ میں بدل دیا ہے۔ اگر یہ واقعہ نہ ہوتا تو آج دجالی ریاست میں ایران کے خلاف جعلی فتح پر نیتن یاہو حکومت نے جشن منانے کی تیاری کر رکھی تھی۔

امریکہ واسرائیل کا
”مہذب“ تحفہ
غزہ: ننھے فرشتے بھوک اور پیاس سے
نڈھال

گن کے نشانے پر
ہر فلسطینی زندگی
U.S. AID
CENTER